تک ہے اس کے بعد خلافت نبوت تو باقی نہیں رہی۔ اور تین خلفاء کی مدت پچیس سال بنتی ہے جس سے تیس سال والی روایت تو خود بخود غلط ثابت ہو جاتی ہے۔

بخاری و مسلم وغیرہ کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم یعنی صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ ہیں۔ اور ان کے بعد ہم کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دیتے تھے۔

ابوداؤد کی ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نیک شخص کو ابوبکرؓ کے ساتھ تولا گیا۔ پھر ابوبکرؓ کو عمرؓ کے ساتھ تولا گیا۔ پھر عمرؓ کو عثمانؓ کے ساتھ تولا گیا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو ہم اس امر پر متفق ہوئے کہ اس نیک شخص سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد تھے' اور یہ جو ایک کو دوسرے کے ساتھ تولا گیا تو اس سے مراد وہ حکومت ہے جو اس کام پر ان لوگوں کو حاصل ہو گی جو کام دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے ہیں۔

ہم نے یہ تمام روایات صرف ابوداؤد سے نقل کی ہیں اور یہ صرف اس لیے کہ اس قسم کی روایات کی تعداد اتنی زیادہ ہے جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جس کو تفصیل درکار ہو وہ شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء میں ان روایات کا مطالعہ کر لے۔ لیکن ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ ایک ایسی روایت پیش کی ہے جو ہمارے نزدیک قطعاً فیصلہ کن ہے۔ اور ابوداؤد نے اس روایت پر خلفاء کا بیان ختم کر دیا۔ جس سے یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ روایت کا مضمون اس طرح ہے۔

حضرت سمرۃ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک ڈول لٹکایا گیا ہے' ابوبکرؓ نے اس ڈول کے دونوں کنارے پکڑے اور اس میں سے کچھ پانی پیا۔ لیکن ان کے پینے میں کچھ ضعف تھا (ضعف سے مراد مدت خلافت کا کم ہونا ہے)

Marfat.com

پھر عمرؓ نے اس ڈول کے دونوں کنارے پکڑے اور اس میں سے کچھ پانی پیا، پھر عثمانؓ آئے اور انہوں نے بھی خوب سیراب ہو کر پانی پیا۔ اس کے بعد علیؓ آئے اور انہوں نے ڈول کی لکڑی پکڑی۔ لیکن وہ ڈول ایک جھٹکے کے ساتھ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس ڈول سے پانی کے کچھ چھینٹے ان پر پڑ گئے۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۹۔

انہی روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں یہ فیصلہ دیا۔

کہ حضرت علیؓ خلیفہ نہیں تھے۔ اس لیے کہ مملکت کا نظام ان کے قبضہ میں نہ آسکا۔ اور ان کے زیر نگیں صرف ایک شہر کوفہ ان کے پاس رہ گیا تھا۔ اس لحاظ سے ان کو خلیفہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کا پانچ سالہ دور فتنہ و فساد کا دور ہے۔ اور یہ پانچ سالہ دور بغیر خلیفہ کے گزرا۔ پھر امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے۔

ابوداؤد کی اس حدیث کو دیکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خلافت کا ڈول ان کے قبضہ میں نہیں آسکا اور نہ وہ اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکے۔ ہاں خلافت کے نام کے ان کے اوپر چھینٹے ضرور پڑ گئے۔ اور غالباً امام ابوداؤد بھی یہی بات واضح کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت سمرہؓ بن جندب کی اس حدیث سے حضرت سفینہؓ والی تیس سالہ روایت تو کالعدم ہو گئی۔ بلکہ سمرہؓ کی اس حدیث اور اوپر کی تمام احادیث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ خلافت اربعہ کا جو تصور آج امت میں پایا جاتا ہے دور صحابہ میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ صحابہ کرام صرف دو خلافتوں کے قائل تھے۔ ایک خلافت علی منہاج النبوت جس کے بارے میں ان کا تصور یہ تھا کہ وہ عثمانؓ پر ختم ہو چکی۔ اور دوسری خلافت عامہ۔ اب اس کی خواہ حضرت علیؓ سے ابتدار کی جائے یا امیر معاویہؓ سے بہر صورت یہ خلافت عامہ بھی خلافت کہلاتی تھی۔ اس خلافت عمومیہ کے سر پر ملوکیت کا سہرہ چودھویں صدی کے ان علماء نے سجایا ہے جنہوں نے صرف سبائی روایات پر تاریخ کی بنیاد رکھی اور اس کے ذریعہ انہوں نے صحابہ کرام کے معاملہ میں فیصلہ صادر کیا۔

خلفاء اربعہ کا یہ تصور بنو امیہ نے چوتھی صدی میں پیش کیا جو کٹر رافضی تھے۔ اور فارسی زبان میں اس کی ترویج کے لیے چہار یار کی اصطلاح استعمال کی۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ

تینوں خلفاء مل کر چہار یارین جلتے ہیں۔

جو شخص بھی غائر الذہن ہو کر احادیث کا مطالعہ کریگا اس کے سامنے چند حقائق خود بخود واضح ہوتے جائیں گے۔

۱۔ اصل خلیفہ صرف تین ہیں

۲۔ اکثر صحابہ نے حضرت علی سے تعاون نہیں کیا۔

۳۔ صحابہ کرام ان آپس کے جھگڑوں کو فتنہ سے تعبیر کرتے رہے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی نشاندہی فرمائی تھی کہ عنقریب ایک فتنہ ظاہر ہوگا جو عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔ اور اس سے بچنے کی حضورؐ نے تلقین فرمائی تھی۔ اس مضمون کی روایات مستفیض کے درجہ میں ہیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کبار کے نزدیک یہی فتنہ تھا

۵۔ اس فتنہ کا خاتمہ اس وقت ہوا جب حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح فرمائی۔

۶۔ امیر معاویہؓ سے دوسری خلافت کی ابتدائی ہوئی۔ اور ان تمام صحابہ نے جو حیات تھے متفقہ طور پر ان کی بیعت فرمائی۔

۷۔ اب یہ دو حال سے خالی نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بارہ خلفاء کے سلسلہ میں بشارت دی ہے۔ اس میں پہلے تین خلفاء داخل ہیں یا نہیں اگر داخل ہیں تب بھی اس بشارت میں بنو امیہ کے بارہ خلفاء داخل ہوتے ہیں اور اگر خلفاء ثلثہ علیحدہ ہیں تو بارہ کے بارہ بنو امیہ سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ وہ دور ہے جس میں اسلام غالب رہا ہے۔ اور امت ایک خلیفہ پر مجتمع رہی۔ لیکن بنو امیہ کی خلافت ختم ہونے کے بعد جب بنو عباس خلافت پر قابض ہوئے تو چند سال بعد اندلس میں خلافت امویہ قائم ہوگئی۔ اور اس طرح امت دو خلافتوں میں تقسیم ہوگئی اور پھر یہ تقسیم کا عمل روز بروز بڑھتا گیا۔ اور مسلمان روز بروز زوال پذیر ہوتے گئے۔ اس لحاظ سے یہ بنو امیہ کی بہت بڑی فضیلت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہوئی۔ اب اس دور کو ملوکیت اور شہنشاہیت سے وہی شخص تعبیر کر سکتا ہے کہ جو اسلام کا دشمن یا حدیث کے معاملہ میں اس کی نظر انتہائی سرسری سی ہو۔

Marfat.com
Marfat.com

یہ امر واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ ہوں یا نہ ہوں۔ امیر معاویہؓ خلیفہ ہوں یا ملوکیت کے بانی۔ لیکن ہر دو کے بارے میں یہ تصور کہ انہوں نے رشد و ہدایت کے خلاف کوئی کام انجام دیا۔ یا خلاف شریعت کوئی فعل کیا۔ یا عمداً کسی گناہ کے مرتکب ہوئے۔ یا وہ رشد و ہدایت پر نہ تھے یہ سراسر قرآن کا انکار ہے اس لیے کہ قرآن نے صحابۂ کرام کی شان بیان کی ہے۔

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ	یہ راشد لوگ ہیں
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ	یہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا	یہ سچے مومن ہیں

قرآن کی ان آیات کی موجودگی میں جو شخص یہ کہتا ہے کہ امیر معاویہؓ راشد نہ تھے۔ انہوں نے اسلام میں ظلم و عصیان کی بنیاد رکھی۔ مغیرہ بن شعبہؓ رشوت دیا کرتے تھے اور اقتدار کے بھوکے تھے۔ عمرو بن العاصؓ دھوکے دیا کرتے وغیرہ وغیرہ جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ شخص قرآن کو صاف جھٹلا رہا ہے۔ بلکہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیاذاً باللہ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ الغرض ایسی تمام روایات جو صحابہ کی اس شان کے خلاف ہوں جو قرآن نے بیان کی ہے ان سب روایات کو گٹر میں پھینک دینا چاہیے خواہ وہ طبری کی روایات ہوں یا مسعودی کی، واقدی کی روایات ہوں یا کلبی و سدی کی۔ ایک مومن ہونے کی حیثیت سے قرآن پر ایمان لانے سے ہی نجات ممکن ہے۔ اور ان سبائی مورخوں کی روایات کی تسلیم کرنے پر ہرگز بھی ہماری نجات موقوف نہیں۔

قارئین کرام کتاب و سنت سے ہم نے جو کچھ اخذ کیا وہ آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ مزید تفصیل کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ہم نے جو یہ بحث کی ہے تو یہ بلحاظ خلافت بحث کی ہے۔ اس سے آپ یہ ہرگز تصور نہ کریں کہ ہم حضرت امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے افضل سمجھتے ہیں۔ حاشا و کلا حضرت علیؓ کا مقام حضرت معاویہؓ سے ہزارہا درجہ بلند ہے۔ بلحاظ فضیلت ان ہر دو حضرات میں ہرگز موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس گفتگو کا مقصد صرف اتنا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے سلسلہ میں کیا کیا ارشادات

Marfat.com

فرمائے۔ اور صحابہ کا اس معاملہ میں طرز عمل ۔اس لیے کہ ہمارے نزدیک کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اور اس کے بعد صحابہ کا قول وعمل حجت ہے۔ تاریخ حجت نہیں

ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے اس سلسلہ میں ہم سے کہاں کہاں غلطیاں ہوئیں ہیں اور کس کس مقام پر ہم نے ٹھوکر کھائی اس کا فیصلہ تو بارگاہِ الٰہی میں جاکر ہوگا۔ ہم تو اپنے پروردگار سے یہی درخواست کرسکتے ہیں :۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ الحشر

اے ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان میں ہم پر سبقت کرچکے۔ اور اہلِ ایمان کی جانب سے ہمارے دلوں میں کینہ نہ رکھ ۔ اے ہمارے رب آپ رءوف رحیم ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

مقام ولایت

ایک حدیث قدسی

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ کہ جو شخص میرے ولی سے دشمنی رکھے گا میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ بندہ جن چیزوں کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے۔ مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ امور ہیں جو میں نے اپنے بندے پر فرض کئے ہیں۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں میں اس (ولی) کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کو وہ پھیلاتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اگر یہ میرا ولی مجھ سے کوئی سوال کرتا ہے تو میں اس کا سوال پورا کرتا ہوں۔ اور اگر پناہ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔ اور جو مومن موت کو برا سمجھتا ہو۔ مجھے اس کی جان لینے میں جتنا تردد ہوتا ہے۔ اتنا کسی شے میں تردد نہیں ہوتا۔ اور میں اس کی برائی پسند نہیں کرتا۔ بخاری ج ۲ ص ۹۶۳

خطابی کہتے ہیں یہ سب تمثیل ہے۔ اور ہو سکتا ہے مراد وہ اعضاء ہوں جن کے ذریعہ انسان ان اعمال کو انجام دے جو اللہ کی رضا کا ذریعہ ہوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الفاظ کو خواہ کتنا گھما پھرا لیجئے بات وہیں کی وہیں ہے۔

تو شیخ میں ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان باتوں کو مجاز اور کنایہ تسلیم کیا جائے گا۔ اور ان تمام امور سے مراد بندے کی نصرت و اعانت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ خود کو بندے کے اعضاء کی منزل پر پہنچا دیتا ہے جن سے وہ مدد حاصل کرتا ہے۔

سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے تردد ثابت کیا گیا ہے جو ایک

Marfat.com
Marfat.com

امر محال ہے جسے بلا تاویل قبول کرنا ممکن نہیں۔ پھر سلف یہ ہے کہ اس حدیث کا ترجمہ الباب یعنی سرخی سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوتا۔ بجز اس کے کہ یہ تاویل کی جائے کہ نوافل کی ادائیگی بھی تواضع میں داخل ہے ۔

حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۹۶۳

یہ روایت اپنے ظاہری معنی کے ساتھ تو ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ تاویلات کا سہارا نہ لیا جائے تاویلات کا سہارا لئے بغیر اسے علماءِ ظاہر کے لئے قبول کرنا انتہائی دشوار ہے۔ ہاں باطنی اور وحدت الوجود کے قائلین اس روایت کا خوب پرچار کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے یہاں اللہ اور بندے کے درمیان عبدیت کی بجائے جزئیت کا رشتہ ہے یا اس کے وہ افراد قائل ہو سکتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہو کہ علیؓ کے پردے میں خدا کارفرما تھا ہم تو یہ بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تردد ممکن ہے یا نہیں۔ اس عقدہ کو یا تو ماہرین علم باطن حل کر سکتے ہیں یا وہ حضرات اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں جنھوں نے ہر روایت کو قرآن کے برابر معتبر سمجھ رکھا ہے۔ شارحین بخاری نے تو اس مسئلہ کو کوئی خاص حل نہیں کیا۔

ہم نے حصہ دوم کے مقدمہ میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ حافظ الحدیث ابوالولید الباجی جنھوں نے بخاری کے چاروں قلمی نسخے دیکھے تھے۔ انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ فربری کے نسخہ میں جو آج کل لوگوں کے پاس ہے اور شائع ہوتا ہے تین سو حدیثیں باقی نسخوں سے زیادہ ہیں۔ کہیں یہ روایت ان فوائد و زوائد میں سے تو نہیں ؟

حافظ ابوالولید الباجی یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے کچھ روایات حاشیہ پر نوٹ کی تھیں اور کچھ روایات پرچوں پر لکھی ہوئی تھیں۔ جنھیں ناقلین نے اپنی اپنی عقل کے مطابق بخاری میں داخل کیا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے جو متعدد روایات ترجمۃ الباب سے تعلق نہیں رکھتیں ۔

گویا بقول حافظ ابوالولید الباجی ایک امکان یہ بھی ہے کہ وہ روایات جو ترجمۃ الباب سے تعلق نہ ہو وہ کسی پرچہ پر لکھی ہوئی روایت ہوں جو کسی ناقل نے اصل متن میں داخل کر دی ہوں۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ امام بخاری نے جو روایات حاشیہ پر یا علیحدہ کاغذ پر لکھی تھیں وہ اپنی صحیح میں جمع کرنے کے لئے لکھی ہوں۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ موضوع بحث کے لئے لکھی گئی ہوں۔ اور چونکہ وہ امام بخاری کے قلم کی جمع

Marfat.com
Marfat.com

کردہ تھیں اس لئے انھیں بخاری میں داخل کر دیا گیا ہو۔

سندی لحاظ سے بھی یہ روایت کافی مشکوک ہے

حافظ بدرالدین عینی رقم طراز ہیں

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس حدیث کے راوی خالد پر اعتراض ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں اس کی روایات منکر ہوتی ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں اسکی روایت حجت نہیں اور ابن عدی نے خالد کی دس (۱۰) روایات کو منکر قرار دیا ہے جن میں سے ایک روایت یہ بھی ہے۔

گویا ابن عدی ان لوگوں میں داخل نہیں جو بخاری کی روایات کو قرآن کی طرح شک و شبہ سے بالا تر سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ روایت منکر ہے۔

اس کے ایک اور راوی شریک پر بھی اعتراض ہے۔ یہ معراج کی حدیث کا راوی ہے۔ جس میں اس نے کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر سے کام لیا ہے۔ اور ایسی روایات بیان کی ہیں جو کسی اور نے بیان نہیں کیں

امام عینی فرماتے ہیں ہمارا جواب یہ ہے کہ خالد کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں اس میں کچھ حرج نہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں اس کی حدیث لکھ لی جائے۔ ابو داؤد کہتے ہیں سچا ہے شیعہ ہے اور میرے نزدیک انشاء اللہ کوئی حرج نہیں۔

رہا شریک تو یحیی بن معین اور نسائی کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ محمد بن سعد کہتے ہیں ثقہ ہے بہت سی احادیث کا راوی ہے۔ عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۹

یہ امام عینی کی اپنی رائے ہے اور یہ بھی بسا غنیمت ہے کہ انھوں نے بخاری کی روایت کی سند پر کلام کیا اور ابن عدی کا قول بھی نقل کر دیا ہے۔ اگرچہ انھوں نے بخاری کی وکالت فرمائی ہے لیکن باقی شارحین حدیث نے تو اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ علامہ بدرالدین عینی جو ایک حنفی ہیں گویا انھوں نے یہ بات تو قبول کر لی کہ اس روایت کی سند پر اعتراضات ہیں۔ اور کچھ لوگ اس روایت کو قبول نہیں کرتے۔

راویوں پر تو ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ ابھی تو ہمیں کچھ اور باتیں کرنی ہیں۔ جس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ بخاری کی یہ روایت ایک ایسی منفرد روایت ہے جسے اس دور کے کسی محدث نے اپنی کتاب

Marfat.com

میں نقل نہیں کیا۔ بعد کے مصنفین میں صرف بیہقی نے اس روایت کو لیا ہے۔ لیکن انھوں نے صرف اتنا کام کیا ہے کہ اپنی سند بخاری تک پہنچا دی ہے۔ اور آگے بخاری کی سند ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری کے زمانہ تک یہ روایت علم سینہ بسینہ کی طرح رازبن کر چلتی رہی اور سات راویوں تک خبر غریب رہی۔ اور ہماری نظر سے آج تک کوئی ایسی روایت نہیں گزری جو پورے ڈھائی سو سال بلکہ پانچ سو سال یعنی بیہقی کے دور تک غریب رہی ہو۔

بعض روایات صحابہ کے دور میں غریب ہوتی ہیں لیکن دور تابعین میں شہرت حاصل کر لیتی ہیں۔ اور بعض کی شہرت تبع تابعین کے دور میں ہوتی ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی روایت تبع تابعین کے دور تک بھی شہرت نہ پائے۔ لیکن اس روایت نے تو غربت کے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ ہاں بعد کی صدیوں میں موفیار نے اسے کافی استعمال کیا۔ اور اس روایت کو پیش کر کے اپنی دکان بڑھاتے رہے۔

روایت کی ابتدار ولایت سے شروع ہوتی ہے۔ اور ولایت مذہب شیعہ کا سب سے بڑا ستون ہے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی۔ بلکہ تمام انبیاء صرف اس لیے مبعوث کیے گئے تاکہ لوگوں کو ولایت علیؓ کی تعلیم دیں۔ حتیٰ کہ ان کا دعویٰ ہے کہ خم غدیر میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ	اے رسول تمہارے پروردگار کی جانب سے جو کچھ تمہاری جانب نازل کیا گیا ہے۔ اسے دوسروں تک پہنچا دو۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کو نہیں پہنچایا۔

نوری طبرسی نے فصل الخطاب میں بیان کیا ہے کہ اس آیت کے اصل الفاظ اس طرح تھے۔

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ فِىْ وِلَايَةِ عَلِىٍّ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا	اے رسول تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری طرف جو نازل کیا گیا ہے (ولایت علی کے سلسلہ میں) اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کی تبلیغ نہیں کی (اور اس صورت میں میں اے نبی تمہیں دردناک عذاب دوں گا۔)

Marfat.com

شیعوں کے یہاں قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ بار بار ولایت علی کے اعلان کا حکم دیتا رہا۔ لیکن آپ ابوبکرؓ و عمرؓ اور قوم کے ڈر سے ولایت علی کا اظہار نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو اس آیت میں عذاب اور صفِ رسالت سے خارج کرنے کی دھمکی دی گئی تو آپ اعلان پر مجبور ہوئے۔ اور ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو خم غدیر میں اس کا اعلان فرمایا۔

ہم یہ سب باتیں اس لیے تحریر کرنے پر مجبور ہوئے کہ اس روایت کا ایک راوی ملتِ شیعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا نام خالد ہے۔ اور حافظ بدرالدین عینی نے بھی اس کے شیعہ ہونے کا ذکر کیا ہے تو آئیے اب حافظ ذہبی کی زبانی ہم اس کا حال ملاحظہ فرمائیں

خالد بن مخلد القطوانی ؛

یہ شخص کوفہ کا باشندہ ہے۔ اس کی کنیت ابوالہیثم ہے۔ بخاری، مسلم اور نسائی نے اس سے روایات لی ہیں۔

ابوداؤد فرماتے ہیں سچا ہے لیکن تشیع سے کام لیتا ہے۔ احمد بن حنبل فرماتے ہیں اس کی روایات منکر ہوتی ہیں۔ یحییٰ وغیرہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابوحاتم رازی کا قول ہے اس کی روایت لکھ لی جائے لیکن اس کی حدیث حجت نہیں۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ منکر الحدیث ہے اور بہت غالی شیعہ ہے۔

ابن عدی نے اس کا ذکر کر کے اس کی دس روایات کو منکر قرار دیا۔ جس میں سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ پھر فرمایا۔ یہ بہت سی روایات نقل کرتا ہے۔ لیکن انشاء اللہ اس میں کوئی برائی نہیں۔

جوزجانی کا بیان ہے کہ یہ کھلم کھلا شیعہ تھا۔ بہت گالیاں دیا کرتا تھا۔ اور ابونعیم بھی کوفی المذہب تھا یعنی شیعہ (فضل بن دکین جو بخاری و مسلم کا استاد ہے) اور عبیداللہ بن موسیٰ تو اس سے بھی بدتر تھا (اس کی روایات تمام صحاح میں پائی جاتی ہیں)

امام ذہبی کہتے ہیں اسی طرح عبدالرزاق اور متعدد افراد ہیں (جو شیعہ ہیں)

اس کے بعد امام ذہبی نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

Marfat.com

فهذا الحديث غريب جدا - لاهيبة
الجامع الصحيح لعدوه فی منكرات خالدين
مخلد وذلك لغرابة لفظه ولانه
مما ينفرد به شريك وليس بالحافظ لم
يرد هذا المتن الا بهذا الاسناد ولا خرجه
من عدا البخاری ولا اظنه فی مسند
احمد

میزان ج ۱ ص ۶۴۳ -

یہ حدیث انتہا سے زیادہ غریب ہے۔ اگر جامع صحیح بخاری کی ہیبت محدثین کے دلوں پر طاری نہ ہوتی تو تمام محدثین اس روایت کو خالدین مخلد کی منکرات میں شامل کرتے۔ اول تو اس کے الفاظ بہت غریب ہیں۔ دوئم اسے شریک کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا اور وہ حافظ الحدیث نہیں۔ اور اس روایت کی کوئی اور سند نہیں۔ اور بخاری کے علاوہ اسے کسی نے روایت نہیں کیا اور میرے خیال میں یہ مسند احمد میں بھی موجود نہیں۔

ہمیں کوئی صاحب منکر حدیث قرار نہ دیں۔ اور نہ ہم پر کوئی الزام قائم فرمائیں کیونکہ ابن سعد، ابن عدی ذہبی اور امام احمد بن حنبل نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ اور تمام ان باتوں کا قرار کیا ہے جس کے ہم نے دعوے کئے تھے۔

اصول حدیث کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شیعہ ایسی روایات پیش کرے جس سے اس کے مسلک کی تائید ہوتی ہو، اسے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور اس روایت کے ذریعہ نہ صرف ولایت ثابت کی جارہی ہے بلکہ یہ بھی ثابت کیا جارہا ہے کہ ولی کے روپ میں اللہ تعالیٰ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

اب دوسرے راوی شریک کا بھی حال سنیئے۔

شریک بن عبداللہ بن ابی نمر:

ہم گزشتہ صفحات میں ایک شریک بن عبداللہ کا حال بیان کرچکے ہیں۔ وہ شریک بن عبداللہ بن سنان کوفہ کا باشندہ تھا جو بالائی المسلک تھا۔ یہ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر ہیں۔ حضرت انس رضؓ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ ان کی روایات تمام صحاح میں پائی جاتی ہے۔

یحییٰ بن معین کا قول تو یہ ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں اور دوسرا قول ہے کہ قوی نہیں۔ نسائی بھی

بھی یہی کہتے ہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں ثقہ ہے۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ اگر ان سے ثقہ راوی روایت کرے تو ثقہ ہے

علامہ ابن حزم نے حدیث معراج کے باعث اسے واہی قرار دیا ہے۔ اس روایت کے آخر میں ہے۔

"حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور رب العزت جبار کے قریب ہوئے تو رب العزت نیچے جھک آیا حتی کہ آپ میں اور رب العزت میں دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا"

ذہبی لکھتے ہیں یہ روایت صحیح بخاری کی غریب روایات میں سے ہے۔ میزان ج ۲ ص ۲۷

گویا مذکورہ روایت کے دو راوی مجروح ہیں اور خالد بن مخلد تو خالص سبائی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ستر وعدے فرمائے تھے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ہم باہم یہ گفتگو کیا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ستر ایسے وعدے فرمائے ہیں جو کسی اور سے وعدے نہیں کیے۔ میزان ج ۱ ص ۱۷۱

ذہبی کا بیان ہے یہ روایت منکر ہے اور اسے اربد تمیمی کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔

اور اس سے یہ روایت نقل کرنے والا منہال بن عمرو ہے جو کٹر شیعہ ہے اور اس کا حال پہلے گزر چکا ہے کہ یہ کٹر شیعہ ہے یحییٰ بن سعید اور ابن حزم وغیرہ نے اس کی روایت ترک کی ہے۔

جوزجانی کا بیان ہے کہ ضعیف ہے۔ میزان ج ۴ ص ۱۶۲

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ

سبائیوں نے صحابہ کرام میں سے کوئی فرد بشر ایسا باقی نہیں چھوڑا جس کے لئے کوئی برائی داستان وضع نہ کی ہو۔ اور بعض اوقات وہ داستانیں اتنی دلچسپ ہوتی ہیں کہ اچھا خاصا انسان ان میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی ایسی داستان کو فقر اور تصوف کا لبادہ اوڑھایا جاتا ہے۔ ایسی ہی تبرائی داستان حضرت ثعلبہؓ بن حاطب بدری کے بارے میں وضع کی گئی ہے۔ قارئین بھی اس داستان سے مستفیض ہو جائیں تو بہتر ہے۔

مفسر قرطبی نے علی ابن زید عن القاسم کی سند سے حضرت ابو امامہ الباہلی سے نقل کیا ہے کہ ثعلبہؓ بن حاطب الانصاری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے خوب مال عطا فرمائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ تھوڑا مال جس کا شکر ادا کیا جائے اس کثیر مال سے بہتر ہے جسے انسان برداشت نہ کر سکے انہوں نے دوبارہ عرض کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ تو اللہ کے نبی کے مثل ہو جائے۔ اگر میں چاہتا تو پہاڑ سونے میں تبدیل ہو کر میرے ساتھ چلتے۔

ثعلبہؓ نے عرض کیا اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ اللہ سے دعا فرمائیں پھر وہ مجھے رزق عطا فرمائے تو میں ہر حق دار کا حق پورے پورے طور پر ادا کر دونگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی۔

انہوں نے ایک بکری خریدی۔ اس نے اس طرح بچے جننے شروع کئے جیسے کیڑے بچے جنتے ہیں (یعنی لاتعداد) حتیٰ کہ مدینہ کی سرزمین ان کی بکریوں کے لئے ناکافی ہو گئی انہوں نے مدینہ چھوڑ دیا اور مدینہ کی ایک وادی میں جا کر بس گئے حتیٰ کہ صرف ظہر اور عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے۔ باقی نمازیں ترک کر

دیں۔ پھر بجزوں سے اور رعنا تردیا کیا حتیٰ کہ انہوں نے جمعہ کے علاوہ سب نمازیں ترک کر دیں۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً — ان کے مالوں سے صدقہ لیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو افراد صدقہ کی وصولیابی کیلئے بھیجے اور انہیں حکم دیا۔ کہ ثعلبہؓ اور بنی سلیم کے فلاں شخص کے پاس جانا۔ اور ان سے صدقہ یعنی زکوٰۃ وصول کرنا۔ یہ دونوں ثعلبہؓ کے پاس پہنچے اور انہیں رسول اللہ علیہ وسلم کا خط سنایا۔ انہوں نے جواب دیا یہ زکوٰۃ کیا شئے ہے یہ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ اچھا اس وقت تو جاؤ۔ پھر کسی اور وقت ہمارے پاس آنا۔ قرطبی لکھتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے۔

ایک ضعیف قول یہ ہے کہ ثعلبہؓ اپنے چچا زاد بھائی کے وارث بنے اور وہ مالدار تھا۔ اس طرح یہ مالدار بن گئے۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت ثعلبہؓ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ

ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہم کو نواز اتو ہم ضرور صدقہ کرینگے اور ضرور صالح بن کر رہینگے مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولت مند کر دیا تو وہ بخل پر اتر آئے اور اپنے عہد سے ایسے پھرے کہ انھیں اس کی پرواہ تک نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا جو اس دن تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا جس روز اللہ سے ملاقات ہوگی

مفسر قرطبی فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کا شام سے مال آرہا تھا۔ اس کے پہنچنے میں کچھ دیر واقع ہوئی۔ انھوں نے انصار کی ایک مجلس میں

قسم کھائی کہ اگر میرا مال صحیح سالم پہنچ گیا تو وہ اس مال میں سے صدقہ بھی کرینگے اور صلہ رحمی بھی کرینگے جب وہ مال صحیح وسالم پہنچ گیا تو انہوں نے بخل سے کام لیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں)

امام قرطبی فرماتے ہیں حضرت ثعلبہؓ بدری اور انصاری صحابی ہیں۔ اور بدریین کے ایمان کی اللہ اور اس کے رسول نے شہادت دی ہے۔ ان سے جو یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے یہ صحیح نہیں۔

ابو عمرو بن عبدالبر بھی فرماتے ہیں جس شخص نے یہ دعوی کیا ہے کہ یہ آیت ثعلبہؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ انہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ شاید یہ صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

ضحاک مفسر کا قول ہے کہ یہ آیت ان تین منافقین میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے

نبتل بن الحارث جد بن قیس اور معتب تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۳۰۴۸

یہ بھی اللہ کا شکر ہے۔ کہ امام قرطبی نے خود ہی اس واقعہ کو رد کر دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ابن عباسؓ کے نام سے یہ شاخسانہ چھوڑ دیا کہ یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے بارے میں نازل ہوئی اور اس پر قرطبی نے کوئی کلام نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت حاطبؓ ابی بلتعہ بھی بدری صحابی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ مہاجرین مکہ میں داخل ہیں۔ اسے کہتے ہیں یک نہ شد دو شد۔ حالانکہ امام قرطبی کو چاہیئے تھا کہ اس کا بھی رد کرتے۔

حیرت تو ابو عمرو بن عبدالبر پر ہے کہ وہ تردید بھی کر رہے ہیں تو شاید کہہ کر یعنی شاید صحیح بھی ہو سکتی ہے۔

عقلی طور پر تو مفسر قرطبی نے بھی اس واقعہ کو قبول نہیں کیا۔ لہذا ہم عقلی طور پر تو کوئی بحث چھیڑنا نہیں چاہتے۔ آئیے ہم ذرا سندی لحاظ سے بھی اس پر نظر ڈال لیں۔

امام قرطبی نے دعوی کیا ہے کہ یہ روایت علی بن زید نے قاسم سے نقل کی ہے۔ اور قاسم نے حضرت ابو امامہؓ باہلی سے۔ تو آئیے ہم پہلے علی بن زید کے چہرے مہرے کو دیکھیں کہ کہیں اس کا منہ ٹیڑھا تو نہیں۔

علی بن زید:۔ اس کا پورا نسب نامہ یہ ہے۔ علی بن عبداللہ بن زہیر ابی ملیکہ بن جدعان۔ ابوالحسن کنیت ہے قبیلہ قریش کی شاخ بنی تیم سے تعلق رکھتا ہے۔ بصرہ میں سکونت پزیر تھا۔ مسلم۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی

Marfat.com
Marfat.com

اور ابن ماجہ نے اس کی روایات نقل کی ہیں۔ اس کا شمار علماء تابعین میں ہوتا ہے۔

اس نے انسؓ، ابو عثمان النہدی اور سعید بن المسیب سے احادیث روایت کی ہیں۔ اس سے شعبہ، عبدالوارث اور ایک مخلوق نے احادیث روایت کی ہیں۔

اس علی بن زید کے بارے میں علماء حدیث کا اختلاف ہے۔

جریری کا بیان ہے کہ بصرے کے تین فقہاء کی اچانک بینائی جاتی رہی۔ قتادہ۔ اشعث الحدانی اور علی بن زید۔

منصور بن زاذان کا بیان ہے۔ کہ جب حسن بصری کا انتقال ہوا۔ تو ہم نے علی بن زید سے عرض کیا کہ اب آپ حسن کی مسند سنائیے۔

موسیٰ بن اسمٰعیل کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن سلمہ سے دریافت کیا کہ وھیب کا دعویٰ ہے کہ علی بن زید حدیث کو یاد نہیں رکھ سکتے۔ حماد نے فرمایا وھیب اتنی ہمت کہاں رکھتے ہیں کہ علی بن زید کے ساتھ بیٹھ سکیں۔ علی بن زید تو بڑے بڑے علماء کے روبرو بیٹھتے ہیں۔

شعبہ جب علی بن زید کی روایت بیان کرتے تو کہتے ہم سے علی بن زید نے اس وقت حدیث بیان کی تھی جب کہ اس کے دماغ نے جواب نہیں دیا تھا۔ اور وہ پاگل نہیں ہوا تھا۔

امام سفیان بن عیینہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

حماد بن زید جب اس کی روایت بیان کرتے تو فرماتے ہم سے علی بن زید نے حدیث بیان کی اور وہ حدیث میں تبدیلیاں کرتا رہتا تھا۔

فلاس کا قول ہے کہ امام الربان یحیٰ بن سعید القطان اس علی بن زید کی روایت سے دور بھاگتے تھے

امام یزید بن زریع سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ علی بن زید تو راقن تھا (اسی لیے تو اس کو تبرا کی ضرورت پیش آئی)۔

امام احمد کا قول ہے یہ ضعیف ہے۔ یحیٰ بن معین نے ایک بار فرمایا یہ قوی نہیں۔ اور ایک بار فرمایا کچھ نہیں۔

Marfat.com

احمد العجلی کا بیان ہے کہ یہ شیعہ تھا۔ یہ قوی نہیں ہے۔ بخاری اور ابو حاتم فرماتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کی روایت لکھ ضروری جانے سے (یعنی بغرض تحقیق) کیونکہ یہ یزید بن ابی زیاد سے زیادہ بہتر ہے۔

نسوی کہتے ہیں یہ بڑھاپے میں سٹھیا گیا تھا۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں میں اس کے حافظہ کی خرابی کے باعث اس کی حدیث کو حجت نہیں مانتا۔

ترمذی کہتے ہیں یہ سچا ہے دار قطنی کہتے ہیں میرے نزدیک یہ ہمیشہ ہی کمزور رہا۔ ابن عدی اور ذہبی نے اس کی متعدد روایات کو منکر قرار دیا ہے۔ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۳۹ الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۱۸۶

حاصل کلام یہ کہ علی بن زید سچا ہے۔ لیکن آخر عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ اس کا شروع ہی سے حافظہ خراب تھا۔ اس کی حدیث حجت نہیں۔ یہ ضعیف ہے۔ قوی نہیں۔ یہ کچھ نہیں۔ یہ حدیث میں تبدیلیاں کیا کرتا تھا۔ اس کی روایات منکر ہوتی ہیں۔ یہ شیعہ ہے۔ رافضی ہے۔

قارئین اب خود ہی فیصلہ فرمالیں۔ کیونکہ اگر ہم فیصلہ کرینگے تو اکابر کی شان میں گستاخی ہو گی۔ اور ہم جیسے لاعلم صحیح مسلم کے مسلمہ راویوں میں اگر کیڑے نکالیں گے تو منکر حدیث قرار پائینگے۔ کیونکہ مسلم کا راوی ہونے کے باعث یہ جناب معصوم ہیں اور حضرت ثعلبہؓ بدری نہ معصوم ہیں اور نہ ان کی اتنی پوزیشن ہے کہ ان کی عزت بچانے کیلئے مسلم کے کسی راوی پر اعتراض کیا جائے اور غالباً اسی لئے قرطبی اور ابن عبدالبر نے اس کی سند پر کوئی گفتگو نہیں کی استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔

عبدالحسین شرف الدین موسوی جو عراق کے ایک مشہور فقہ جعفریہ کے عالم ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "المراجعات" میں اُن سارے راویوں کے حالات پیش کئے ہیں جن سے سنی محدثین نے روایات لی ہیں اور پھر بطور الزام اس امر کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اس علی بن زید کا بھی تذکرہ کیا ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے "المراجعات" ص ۱۰۸۔

قاسم بن عبدالرحمان۔ یہ شخص صاحب ابی امامہ یعنی ابو امامہؓ صحابی کے ساتھی کے لقب سے مشہور ہے۔ اس کی کنیت ابو عبدالرحمان ہے دمشق کا باشندہ ہے آل معاویہ کا غلام تھا

Marfat.com

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ علی بن زید جرعان نے اس سے عجیب وغریب روایات نقل کی ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ سب داستانیں قاسم نے تیار کی ہیں۔ الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۱۱۳

ابن حبان کہتے ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے یہ معضل روایات نقل کرتا ہے۔

معضل اصطلاح حدیث میں اُس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند میں سے دو راوی گرا دئے جائیں۔ یعنی جب یہ کسی صحابی سے روایت نقل کرتا ہے تو درمیان سے دو راوی گرا کر صحابی کی جانب منسوب کرتا ہے۔ جس سے لوگوں کو یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اُس صحابی سے خود حدیث سنی ہے۔

اثرم کا بیان ہے کہ ابو عبداللہ (غالباً بخاری) کے روبرو اس قاسم کی ایک روایت بیان کی گئی تو ابو عبداللہ نے اسے منکر قرار دیا۔ اور فرمایا یہ اُس نے خود تیار کی ہوگی۔ یعنی اپنی خانگی فیکٹری میں۔

ابن حبان فرماتے ہیں یہ قاسم صاحب دعوی کرتے تھے کہ اس نے چالیس بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے۔ حالانکہ یہ عام صحابہ سے بھی جو روایات نقل کرتا ہے۔ وہ سب معضل ہوتی ہیں اور روایات میں تبدیلیاں کرکے ثقہ راویوں کی جانب منسوب کرتا ہے اور میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ یہ سب روایات خود اس کی تیار کردہ ہوتی ہیں۔

جوزجانی کہتے ہیں یہ بہت نیک اور فاضل شخص تھا۔ ترمذی کا قول ہے یہ ثقہ ہے۔ جابر بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے قاسم ابو عبدالرحمان سے افضل کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ہم قسطنطنیہ میں تھے۔ لوگوں کو بطور روزینہ بومیہ دو دو روٹیاں ملتی تھیں۔ یہ ایک روٹی صدقہ کر دیتا۔ اور روزہ رکھتا اور ایک روٹی سے افطار کرتا۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۷۳

حدیث کے معاملہ میں نیکی کوئی خاص کام نہیں آتی بلکہ امام یحیی بن سعید القطان تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ہم نے ان نیک لوگوں سے زیادہ حدیث میں جھوٹا کوئی انسان نہیں دیکھا۔

اور ویسے بھی اسکی نیکی کا ڈھنڈورہ پیٹنے والا جابر بن یزید جیسا بزرگ ہے۔ یہ وہی بزرگ ہے جس کے بارے میں ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ما رایتا اکذب من جابر الجعفی کان — میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی شخص نہیں

Marfat.com
Marfat.com

یؤمن بالرجعۃ — دیکھا۔ وہ دنیا میں حضرت علیؓ کی دوبارہ آمد پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ جابر اس پر ایمان رکھتا تھا کہ حضرت علیؓ دنیا میں دوبارہ تشریف لائینگے (یعنی بہلے مہینک کے) اور بادلوں کے اڑن کھٹولے میں اڑتے پھرتے ہیں۔

یہ وہی جناب جابر ہیں جس کا قول امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ یہ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس امام باقر کی ستر ہزار احادیث ہیں اور میں نے ان میں سے آج تک ایک بھی بیان نہیں کی۔ (نانا سینوں سے ورثہ اصول کافی وغیرہ میں اس کی کافی روایات موجود ہیں)

اب جس ہستی کو یہ جابر نیک قرار دے ہم جیسے ہما و شما اس کی نیکی میں کیا شبہ کر سکتے ہیں؟

ایک فرضی ممبر

حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب قیامت کا روز ہوگا میرے لئے ایک ممبر رکھا جائے گا۔ جو تیس میل لمبا ہوگا۔ پھر علیؓ کو بلایا جائے گا اور وہ ایک سیڑھی نیچے بیٹھیں گے جس سے مخلوق کو معلوم ہوگا کہ محمدؐ سید المرسلین ہیں اور علیؓ سید المومنین ہیں

المحدیث میزان ج ۲/۲۵۲

اتنے طویل ممبر پر نہ رسولؐ نظر آئیں گے اور نہ حضرت علیؓ۔ تو کسی کو کیسے معلوم ہوگا کہ کون بیٹھا ہے

ابن عدی فرماتے ہیں اس کا واضع اسمٰعیل بن موسیٰ ہے جو اسے علی بن یزید الذہلی سے روایت کر رہا ہے۔ میزان ج ۲/۲۵۲

ذہبی لکھتے ہیں کہ علی بن یزید الزہلی نے حضرت علی کی فضیلت میں ایک جھوٹی حدیث روایت کی ہے۔ اور اس کے علاوہ اس روایت کو کوئی بیان نہیں کرتا۔ ج ۳/۱۶۲

ذہبی نے اس علی بن یزید الزہلی کا کچھ تذکرہ نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی فرضی نام ہو۔

Marfat.com

خلافتِ نبوّت

از قلم جناب حکیم علی احمد عباسی صاحب

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ خلافتِ نبوّت امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو گئی اور اس کے بعد سے ملوکیت کا دور رہا۔ اس تصوّر کو آلِ بویہ کے وقت سے اتنا اچھالا گیا ہے کہ جیسے یہی شریعت اسلامیہ کا کوئی مسئلہ اور عقائد کا کوئی جزیہ ہو۔ بیشک امت میں یہ تصوّر پہلے سے موجود تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک خلافتِ نبوت کا دور رہے گا، پھر ملوکیت آجائے گی اور اس کے بعد پھر آخر میں خلافتِ نبوت کا قیام عمل میں آئے گا۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیش گوئیوں کو لوگوں نے اپنے اپنے وقت پر منطبق کرنے کی کوششیں کیں۔ اور چونکہ بات بے جوڑ تھی، نصوصِ صریحہ کے خلاف تھی، اس لیے محض بعض شخصیتوں سے مرعوب ہو کر امت بلاوجہ الجھنوں میں گرفتار ہو گئی۔ کاش اُسے شریعت کا مسئلہ بناتے وقت ان بزرگواروں سے پوچھ لیا گیا ہوتا جنہوں نے شریعت قائم کی، جان و مال قربان کر کے دین برپا کیا، اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اہل عالم کو سمجھایا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی راہ سے ہٹ کر جو بات پیدا کی جائے گی اور جو نظریہ بنایا جائے گا وہ کبھی موجبِ طمانیت نہ ہوگا اور ہرگز تعمیری نہ بن سکے گا۔

اہل تشیّع کا خیال بلکہ عقیدہ ہے اور عقیدہ بھی بنیادی کہ خلافتِ نبوت سرے سے قائم ہی نہیں ہوئی اور اگر ہوئی تو اسی وقت جب سیدنا علی مرتضیٰ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اور نظم امت درہم برہم ہو گیا یعنی ان کے نزدیک امت کے افتراق و انتشار و اختلال کا جو زمانہ ہے وہ تو صحیح معنی میں خلافتِ نبوت کا دور ہے لیکن اس سے پہلے اور اس کے بعد کا زمانہ غاصبوں اور ظالموں کی مستبدانہ حکومتوں کا دور رہا۔ جس میں دین غارت ہوا، کتاب ضائع کر دی گئی اور مقصدِ نبوت فنا ہو گیا۔ سیدنا علیؓ کے بعد خلافتِ نبوت پھر زاویۂ خمول میں چلی

Marfat.com

گئی اور اس کا ظہور ان کے اس امام غائب کے زمانہ میں ہو گا جس کا یہ لوگ انتظار اسی طرح کر رہے ہے جس طرح قرونِ ماضیہ میں اقوام عالم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار تھا۔ اسی لیے ایک ہزار برس کی اس مدت میں انہیں اسلام اور مسلمانوں سے کوئی لگاؤ پیدا نہیں ہوا اور ان کی زندگی کا مقصد یہ رہا کہ صحابۂ کرام اور خلفائے اسلام پر لعنت کریں۔ اور مسلم حکومتوں کو زیر و زبر کرنے کی کوششوں میں مشغول رہیں۔

خوارج کا خیال ہے کہ خلافتِ نبوّت کا دور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد سے یہ امت گمراہی اور باطل پرستی میں مبتلا ہے۔ انہوں نے بطور خود اپنے چند آدمیوں کو امیر المومنین کہا جو سب کے سب مارے گئے۔ اس طرح دعوتِ محمدیہ کا کوئی نظام دنیا میں رہا ہی نہیں۔ اور اسی لیے ان کا مقصدِ حیات بھی یہی رہا کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے بعد جتنے صحابہ زندہ رہے اور اسلام میں جتنے خلفاء ہوئے ان پر لعنت کریں اور ہر مسلم حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے درپے رہیں۔

پھر کچھ لوگ ہوئے جو کہتے تو چلے آرہے ہیں اپنے آپ کو سنت کا پابند اور جماعت سے وابستہ لیکن اُن کا خیال ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد "اس امت کی قیادت جاہلیت کے ہاتھ میں چلی گئی" یعنی دورِ ملوکیت شروع ہو گیا۔ ان لوگوں کی حیثیت رہی تو ہے ہر زمانہ میں انفرادی لیکن چونکہ یہ اصحابِ تصنیف ہیں، اس لیے اُن کی تحریروں کا زہر امت مسلمہ میں پھیلتا چلا گیا، اور اب اکثر ناواقف مسلمان یہی سمجھتے ہیں کہ خلافتِ نبوت کا دور صرف تیس برس رہا جس کے پورے پانچ برس اختلال کی نذر ہو گئے اور جس میں تین خلفا کے گلوں پر چھری پھیر دی گئی۔ ان لوگوں کا ایک طرفہ تو دعویٰ ہے کہ جس نبی کے یہ نام لیوا ہیں وہ آخری نبی ہے اور اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس کی لائی ہوئی کتاب آخری کتاب ہے کہ اب کوئی کتاب نہیں آئے گی اور اس کی برپا کی ہوئی امّت آخری امت ہے، اب کوئی نئی امت ایسی پیدا نہیں ہو گی جس کا تعلق سلسلۂ نبوت سے ہو اور اس کا لایا ہوا نظامِ حیات آخری نظام ہے، اب اس نظام کی علمبردار کوئی قوم پیدا نہیں ہو گی۔ لیکن پھر اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ جس امت کو اللہ تعالیٰ نے خیرِ امت کہا ہے اور جس گروہ کو اس نے زمین پر اپنا گواہ بنایا ہے، اس بہترین امت اور اس گروہِ باصفا نے اپنے آخری نبی کا لایا ہوا نظام تیس برس بھی قائم نہ رکھا اور اپنے ہی ہاتھوں اپنا نظام تباہ و برباد

Marfat.com

Marfat.com

کر ڈالا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس دین کو غالب کرنے کا دعویٰ کیا تھا، وہ غلط نکلا اور اپنے جن بندوں کو اس نے کہا تھا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (یہی ہیں سچے مومن) وہ سب اپنا دین کھو بیٹھے اور ایک ایسے نظام حیات پر راضی ہو گئے جو ان کے نزدیک اللہ و رسولؐ کے منشاء کے خلاف تھا اور مقاصدِ نبوّت کے منافی۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

معلوم نہیں اس ناپاک تصور کی بنیاد دین کے کس اصول پر ہے۔ باقی معاملات میں تو یہ لوگ کتاب اللہ سنتِ رسول اللہ، اجماعِ صحابہ اور قیاس ہی پر اپنے دین کی بنیاد رکھتے ہیں۔ لیکن خاص اس اہم ترین مسئلہ میں انہوں نے سب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ایک خود ساختہ تصور کو پلے بہ پلے بیان کر کے اس بدعت و ضلالت کو آناً رواج دیا کہ اب یہ مسلمات میں سے ہے بلکہ اس سے اختلاف کرنے والا شاید مبتدع کہلائے حالانکہ ان کا وضع کردہ یہ تصور قطعاً بے بنیاد ہے۔ بلکہ حیاتاً کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماعِ صحابہ اور قیاس کے خلاف ہے اور اسی لیے اس کا مآل بھی ایک درجہ میں وہی نکلا جو روافض اور خوارج کے تصورات کا ہے کہ امت آج اپنے اسلاف کرام سے سوءِ ظن میں مبتلا ہے اور اپنی تاریخ پر فخر کرنے کی بجائے مایوسیوں کا شکار ہے اور دل کی گہرائی سے یہ سمجھتی ہے کہ دین فرسودہ ہو گیا، امت کا دور ختم ہو گیا اور اس کی نشاۃ ثانیہ کے اب امکانات نہیں۔

بات یہ ہوئی کہ جب آلِ بویہ نے عروج پکڑا اور نظامِ خلافت پر اتنے حاوی ہو گئے کہ جیسے انہی کے ہاتھ میں امتِ محمدیہ کے امور کا انصرام آ گیا ہو، تو جہاں اور قسم قسم کی بدعات انہوں نے پھیلائیں اور اسلامی معاشرہ میں زندقہ و الحاد کو فروغ دینا چاہا اس کے لیے انہوں نے ضروری سمجھا کہ اس یاس انگیز تصور کو امت کے دلوں میں القاء کریں، تاکہ تاریخ اسلام مسخ ہو، اور ائمہ اسلام کے اجتہاد کی حجیت ختم ہو جائے۔

چونکہ عباسیوں کی خلافت تھی اور آلِ بویہ اپنے آپ کو ان کی بیعت میں اسی طرح کہتے تھے جیسے ان کے متقدمین نے سیدنا علیؓ کا دامن پکڑ رکھا تھا، اس لیے انہیں علانیہ ملوک کہنے کی ہمت نہ کر سکے۔ ادھر جمہورِ اہل اسلام کو خلفاء ثلثہ سے عقیدت تھی اس لیے ان لوگوں کو اپنا نظریہ کھل کر سرکاری بنانے کی ہمت نہ ہوئی۔ انہوں نے جب لعنت اور سب و شتم کا سلسلہ شروع کرنا چاہا اور اس سے مسلمان برافروختہ ہوئے تو اس سے

Marfat.com

بھی یہ لوگ ایک درجہ میں باز آگئے۔ لیکن یہ مسئلہ بہرحال اٹھا دیا کہ خلافتِ نبوت کو چاروں اصحاب پر ختم سمجھ لیا جائے۔

امویوں کی خلافت جاتی رہی تھی، لہٰذا انہیں جباروں میں شامل کرنا چنداں دشوار نہ تھا، اور نہ ان کی خلافت کے مبارک دور کو جاہلیت کا تسلط بنا دینا مشکل تھا۔ روایتوں کی مکسال اُن کے ہاتھ میں تھی اور جس قسم کی جو بات رائج کرنا چاہتے تھے، اس کی حمایت میں جیسی نص کی ضرورت ہوتی وہ تیار کرلی جاتی تھی۔ اپنے انہی مقاصد کے تحت انہوں نے یہ بات طے کرادی کہ خطبوں میں صرف چار خلفاء کا نام لیا جائے اور باقی عشرۂ مبشرہ کا ذکر اجمالاً ہو۔ ناموں کی تصریح نہ کی جائے۔ خلیفۂ عصر کے لیے البتہ دعاء کی اجازت تھی۔ مگر اس طرح کہ ساتھ ساتھ خود ان کا مردود نام بھی لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات طاہرات میں سے صرف حضرت سیدۂ فاطمہ صلوات اللہ علیہا کا تذکرہ ہو اور آپ کی اولاد کی اولاد میں سے صرف سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کا۔ سیدنا عباسؓ کا ذکر خلفاء عباسیہ کے مورث ہونے کی بناء پر روکا نہیں جا سکتا تھا اسی لیے سیدنا حمزہؓ کا نام بھی شامل کر دیا۔ اگرچہ ان کے خطابات "اسد اللہ" اور "سید الشہدا"۔ ان سے چھین لیے گئے۔ سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ میں چونکہ ان لوگوں کے نزدیک جاہلیت کی رگ تھی اور وہ سیدنا علیؓ کی زندگی ہی میں سیدنا معاویہؓ سے جا ملے تھے، اس لیے ان کا نام لینا ممنوع ٹھہرا، اور اسی کی پاداش میں سیدنا جعفر طیارؓ کا مبارک نام بھی ساقط کر دیا گیا۔

غرض یہ ہے کہ آلِ بویہ اور مسلمانوں کے درمیان یہ ایک قسم کا غیر مکتوب سمجھوتہ تھا جس پر عمل شروع کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے بھی بزرگانِ پیشین کی حرمت برقرار رکھنے کے لیے اس بدعت کو برداشت کر لیا کہ بہرحال خلفاء اربعہ کا نام لینے کی سبیل تو نکلی۔ ورنہ بغداد کا حال تو یہ تھا کہ علانیہ مساجد کے دروازوں پر خلفائے اسلام کے نام لے لے کر لعنت لکھی جاتی تھی جسے رات کو مسلمان مٹا دیا کرتے تھے[1] (ملاحظہ ہو محاضرات تاریخ الامم الاسلامیۃ الدولۃ العباسیۃ، ص ۳۸۲)

---

[1] آلِ بویہ کے تسلط سے پہلے عباسی امامت میں سنت کا اتباع کیا جاتا تھا، جماعت کی حرمت برقرار رہتی (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

Marfat.com

لوگوں کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی کہ کسی کا خلیفہ ہونا یا نہ ہونا اعتقادی مسئلہ نہیں ہے کہ لوگ جب چاہیں اور جس قسم کا نظریہ چاہیں بنالیں۔ ایسے امور کا فیصلہ ہمعصر لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے بعد کے لوگوں کی رائے کی کوئی قیمت نہیں۔ اگر کسی شخص کے خلیفہ اور امام ہونے پر ہمعصر امت نے اجماع کر لیا تو وہ خلیفہ اور امام ہے ورنہ نہیں۔ یہ کوئی خیالی اور نظری بات نہیں ہوئی واقعی اور حسی ہوتی ہے عقل اگر خبط ہو جائے اور واقعات کی دنیا سے نکل کر آدمی خیالی فضاؤں میں پرواز شروع کر دے تب البتہ یہ کر سکتا ہے جو ایک صاحب تصنیف صوفی صاحب نے کیا کہ سیدنا حسینؓ شہید مظلوم رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی

تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ یکساں عقیدت و محبت کا عالم تھا۔ پھر احوال بدل گئے۔ محاضرات کے حوالہ سے جو کچھ یہاں بیان کیا جا رہا ہے وہ اس عہد کی معتبر تاریخ میں ہر جگہ بیان کیا گیا ہے۔

نقد کان اهل بغداد قبل الدولة البويهية على مذهب اهل السنة والجماعة ويفضلون الشيخين ابابكر وعمر على سائرهم ولا يقدحون فى معاوية ولا غيره من سلف المسلمين

فلما جاءت هذه الدولة وهى متشيعة غالية فانما مذهب الشيعة ببغداد وجد له من قوة الحكومت انصارا فقد كتب على مساجد بغداد ۳۵۱ھ ما صورته

" لعن الله معاوية ابن ابى سفيان ولعن من غصب فاطمة رضى الله عنها فدكا ومن منع ان يدفن الحسن عند قبر جده عليه السلام ومن نفى

بویہی حکومت سے پہلے اہل بغداد سب مذہب اہل السنۃ والجماعت کے پیرو تھے۔ تمام صحابہ کی عزت کرتے تھے اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر دونوں بزرگواروں کو سب سے افضل جانتے تھے۔ حضرت معاویہ کی جناب میں سوء ادب سے احتراز تھا اور نہ کسی دوسرے گزرے ہوئے مسلمان پر طعن کرتے تھے۔

لیکن جب یہ فرقہ پرست غالی حکومت آئی تو بغداد میں شیعہ مذہب پروان چڑھا اور حاکمانہ اقتدار کے بل پر اس کے مددگار پیدا کیے گئے۔

۳۵۱ھ میں بغداد کی مسجدوں پر یہ عبارت لکھوائی گئی

" خدا معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت کرے اور اس شخص پر لعنت کرے جس نے فاطمہؓ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

Marfat.com

کے ساتھ موٹے موٹے حروف میں "امیر المومنین" لکھ دیا۔

امیر المومنین ایک شرعی اور سیاسی اصطلاح ہے اور سوائے اس شخص کے جو امتِ مسلمہ کا حاکمِ اعلیٰ ہو کسی دوسرے کے لیے مستعمل نہیں ہو سکتی۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ صحابۂ کرام اور جمہورِ امت نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جب بیعت کی تو انہوں نے یہ بیعت کن الفاظ میں کی، اور کس خطاب سے آپ کو مخاطب کیا۔

دورِ خلافت ختم ہو کر دورِ ملوکیت شروع ہونے کے معنی ہیں اسلام کے سیاسی نظام میں ایک بنیادی تبدیلی۔ صحابۂ کرام نے کبھی اس بنیادی تبدیلی کا اعلان کیا؟ یا بیعت کے الفاظ میں، یا حاکمِ اعلیٰ کے خطاب میں

(بقیہ حاشیہ) ابا ذر الغفاری ومن اخرج العباس من الشوریٰ۔"

کا فدک کا حصہ غصب کیا اور اس پر جس نے حسنؓ کو ان کے نانا علیہ السلام کے پاس دفن نہیں ہونے دیا، نیز اس پر جس نے ابوذر غفاریؓ کو شہر بدر کیا، اور اس پر جس نے عباسؓ کو شوریٰ سے خارج کر دیا۔"

والخليفة كان محكوماً عليه لا يقدر على المنع واما معز الدولة فباء مصره كان ذلك۔ فلما كان الليل حكّه بعض الناس فاراد معز الدولة اعادته فاشار عليه وزيره ابو محمد المهلبي بان يكتب مكان ما محي،

خلیفہ وقت بے دست و پا تھے اور اسے روکنے کی ان میں قدرت نہ تھی۔ یہ صرف معز الدولہ تھا جس کے حکم سے یہ حرکت کی گئی۔ جب رات ہوئی تو بعض لوگوں نے اسے مٹا دیا۔ معز الدولہ نے چاہا کہ اس کا اعادہ کرے لیکن اس کے وزیر ابو محمد المہلبی نے مشورہ دیا کہ جو عبارت مٹا دی گئی ہے اس کی بجائے صرف حسبِ ذیل عبارت لکھ دی جائے۔

لعن الله الظالمين لآل رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ ولا يذكر احداً في اللعن الا معاوية"

خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنہوں نے آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا۔" نام لے کر کسی پر لعنت نہ کی جائے سوائے معاویہ کے۔"

لعل ذلك

چنانچہ اسی پر اس نے عمل کیا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com
Marfat.com

کوئی ترمیم کی، جس سے معلوم ہو کہ منصب کی نوعیت بدل گئی۔ صحابۂ کرام نے حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفۂ رسول اللہ کہا، اور حضرت فاروق اعظم کو خلیفۂ رسول اللہ، گویا سیدنا عثمانؓ کو کہتے "خلیفۂ خلیفۂ رسول اللہ"۔ اس مشکل کو رفع کرنے کے لیے سیدنا عمرو بن العاص نے لفظ "امیر المومنین" تجویز کیا اور یہی لفظ تمام خلفاء کے لیے رائج ہو گیا۔ اب صحاح کی کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابۂ کرامؓ نے سیدنا معاویہؓ کو "امیر المومنین" کے علاوہ کسی دوسرے خطاب سے یاد کیا ہو۔ وہ تو آپس میں بھی ان کا ذکر امیر المومنین ہی کہہ کر کیا کرتے تھے (صحیح بخاری: ج ۱، ص ۵۳۱، کتاب المناقب، طبع اصح المطابع

یہ جن حضرات پر لعنت کی گئی ان میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ فدک کے غاصب سے مراد حضرت صدیق اکبر ہیں، سیدنا حسنؓ کو روضہ شریف میں دفن نہ ہونے دینے والے سیدنا مروان بن الحکم ہیں۔ سیدنا ابوذر کو شہر بدر کرنے والے سے مراد سیدنا عثمانؓ ہیں اور سیدنا عباسؓ کو شوریٰ میں شامل کرنے والے سیدنا عمرؓ ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

سیدنا عباسؓ کا نام محض خلیفۂ وقت کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ٹانک دیا گیا ہے ورنہ سب جانتے ہیں کہ ان کے ہاں ان کی کتنی عزت ہے (ملاحظہ ہو نواب محسن الملکؒ کی آیات بینات، ص ۱۸۰، طبع دارالاشاعت کراچی) ہم یہ عبارت نقل کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتے۔ البتہ اہل ایمان کو بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے اپنے بعد جن چھ حضرات کو نامزد کیا تھا ان میں سیدنا عباسؓ کو تعظیماً شامل نہیں کیا۔ حضرت فاروقؓ کے دل میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اتنی عظمت و عقیدت تھی کہ جب قحط پڑتا تو انہی کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری: ج ۲، ص ۳۰۱، طبع مصر:۔

عن انس رضی اللہ عنہ انّ عمر بن الخطاب کان اذا قحط استسقیٰ بعباس بن عبد المطلب فقال اللّٰھم انا کنّا نتوسّل الیک بنبیّنا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا وانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کی عادت تھی کہ جب قحط پڑتا تو سیدنا عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

قیل لا بن عباس ــ هل لک فی امیر المومنین معاویۃ فانہ ما اوتر الا بواحدۃ. قال اصاب انہ فقیہ

حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا گیا: ذرا دیکھئے تو امیر المومنین معاویہؓ نے کیا کیا۔ انہوں نے وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی"۔ فرمایا۔ اچھا کیا۔ انہیں دین کی سمجھ ہے!!

صحابہ کرام نے جب جلوت وخلوت میں سیدنا معاویہؓ کو ہمیشہ اسی خطاب سے یاد کیا جو حضرت فاروق اعظمؓ کا تھا، تو کیسے سمجھ لیا جائے کہ ان کی منصبی حیثیت کو وہ کچھ اور سمجھتے تھے۔ پھر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ان کے حقوق کی رعایت میں صحابہ کرام نے کیا فرق برتا؟ وہ تو ان کے احکام کے لیے ہی پابند تھے جیسے

(بقیہ حاشیہ) نتوسل الیک بعم نبینا قال فیسقون۔

عرض کرتے "خدایا ہم پہلے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کیا کرتے تھے اب اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں (سیدنا انسؓ) فرماتے ہیں کہ بارش ہو جاتی تھی"۔

اسی طرح جب دظائف کا دیوان مرتب ہوا ہے اور صحابہ نے چاہا کہ اوّل امیر المومنین سے ابتدا کریں تو آپ نے فرمایا "نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے ابتدا کرو اور عمرؓ کو وہیں رکھو جہاں اس کا مقام ہے"۔ چنانچہ سب سے پہلے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی لکھا گیا۔ پھر بقیہ بنو ہاشم کا۔ بہرحال ہمیں اور امت کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ خلفائے عباسیہ کی موجودگی میں اور ان کا مذہب جانتے ہوئے معز الدولہ یا اس کے کسی پیرو کو اس سے کیا مطلب تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے سیدنا عباسؓ کو شوریٰ میں شامل کیا یا نہیں۔

رہا فدک کا مسئلہ تو ہم بحث میں پڑنے کی بجائے اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگر فدک پر اہل بیت کا مالکانہ کوئی حق تھا تو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں اس پر ذاتی قبضہ کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے نہیں کیا تو اس کے بعد پھر کسی کو بولنے کا یارا ہی کیسے ہو سکتا ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بارے میں انہی صفحات میں روشنی ڈال دی گئی ہے اور سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کو شہر بدر کرنے کا جو افسانہ تراشا گیا ہے اس کی بھی قلعی کھول دی گئی ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

Marfat.com

حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کے احکام کی پابندی کیا کرتے تھے۔ ان کے اجتہاد پر ایسے ہی عمل ہوتا تھا جیسے خلفاء پیشین کے اجتہاد پر۔ ان کے جھنڈے کے نیچے جہاد کو اسی طرح افضل العبادات سمجھا جاتا تھا، ان کا حاصل کیا ہوا مالِ غنیمت اسی طرح طیب اور نعمتِ الٰہی کہلاتا تھا۔ زکوٰۃ اور عشر انہیں اسی اصولِ دین کے تحت ادا کیا جاتا تھا جس طرح پہلے خلفاء کو۔

زندگی کے چھوٹے بڑے مسئلہ میں اگر صحابہ کرام نے حضرت فاروق اعظم رض اور حضرت معاویہؓ کی حکومت میں کوئی فرق کیا ہوتا تو اس تصور کی گنجائش تھی جو لوگوں نے بے دلیل وضع کر لیا ہے۔ ورنہ قطعاً

آلِ بُوَیہ کی اسی ناپاک حرکت کا ردعمل تھا جو امام ابوبکر ابن العربی نے بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو آلِ بُوَیہ کے تسلط سے نجات دی تو مسلمانوں نے بغداد کی مسجدوں کے دروازوں پر یہ عبارت لکھ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین ہستی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تھی، پھر حضرت عمرؓ کی، پھر حضرت عثمانؓ کی، پھر حضرت علیؓ کی اور پھر اہل ایمان کے ماموں حضرت معاویہؓ کی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ ورنہ مسجدوں پر یہ کلمات لکھنے کی کیا ضرورت ہوتی۔

یہ معز الدولہ ہی ہے جس نے عشرۂ محرم کو ماتم کرنے کا حکم دیا اور پھر جشنِ غدیر منانے کا۔ یہی خاندان ہے جس نے اپنے خوشامدیوں سے ایسی کتابیں لکھوائیں جو سلف صالحین پر طعن سے مملو ہیں۔ مسعودی اسی دربار کا وظیفہ خوار تھا۔

محمد خضری کی بیان کردہ اس تفصیل میں ایک بات البتہ تعجب خیز ہے کہ انہوں نے آلِ بُوَیہ کو زیدی مذہب کا متبع بتایا ہے اور کہتے ہیں (محاضرات، ص ۳۷۸، الدولۃ العباسیۃ)

وكان يخطر ببال معز الدولة ان يزيل اسم الخلافة ايضاً عن بني العباس ويولّيها علوياً لان القوم كانوا شيعةً زيديةً لانّ التعاليم الاسلامية وصلت

معز الدولہ کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ بنو عباس کے نام سے خلافت کا نام مٹا دے اور کسی علوی کو قائم کرے کیونکہ یہ لوگ زیدی شیعہ تھے اور اسلامی تعلیمات ان تک حسن بن زید کے ذریعہ پہنچی تھیں اور پھر حسن

Marfat.com

نہیں۔ سیدنا معاویہؓ کی خلافت پر امت کا ایسا ہی اجماع ہوا جیسے صدیق اکبرؓ کی خلافت پر ہوا تھا۔ ان کے خلاف کھڑے ہونے والوں کو صحابہ کرام نے اسی طرح باغی اور واجب القتل جانا جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ کے خلاف کھڑے ہونے والوں کو۔ یہ وہ امور ہیں جن کا انکار آفتاب نصف النہار کے انکار کے مترادف ہے۔

اب ہم آتے ہیں نصوصِ شرعیہ اور آثارِ صحابہ کی طرف کہ ایک صاحبِ ایمان کے نزدیک صرف وہی حجت ہیں۔

لتوسل ایک بعو نبینا فاسقنا قال فیسقون

ان دونوں ہاشمیوں کا زیدی ہونا مسلم ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ انہی کے ذریعہ آل بویہ تک اسلام پہنچا۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ مذہباً آلِ بویہ زیدی شیعہ تھے۔ اقتدار جب ان کے ہاتھ میں آیا تو انہوں نے زیدی مذہب کو خیرباد کہا بلکہ اس صحیح النسب فاطمی خاندان سے اپنا ظاہری تعلق بھی توڑ دیا۔ ۳۵۵ھ تک آلِ اطروش کا وجود جبال دیلم میں موجود تھا۔ اور یہ زمانہ آلِ بویہ کے انتہائی عروج کا ہے ایک طرف ان لوگوں کی اتنی طاقت تھی کہ اگر چاہتے تو خلیفۂ عباسی کی امامت ہی ختم کر دیتے۔ چنانچہ پہلا کام معزالدولہ نے یہ کیا کہ اپنے برسرِ اقتدار آنے کے بعد چالیس دن کے اندر اندر امیرالمومنین المستکفی باللہ رحمۃ اللہ کو معزول کر دیا، قصرِ خلافت کو لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ وہاں کچھ باقی نہ رہا تو امیرالمومنین کو پابجولاں معزالدولہ کے گھر تک لایا گیا تھا اور ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے ان بدباطنوں کا غلبہ برداشت نہیں کیا۔

اگر ان لوگوں کے دل میں اپنے ان آئمہ کی کوئی قدر ہوتی جنہوں نے انہیں کلمہ شریف پڑھایا تھا، تو ان کی سستی ہوئی حکومت کو بحال کرتے، اور نہیں کیا تھا تو کم از کم ان کے عقائد ہی کی پیروی کرتے۔ زیدی مذہب میں خلفاء ثلثہ پر طعن حرام ہے۔ ان کی خلافت کو وہ درست سمجھتے ہیں اور جمہور صحابہ کی تعظیم ان کا شعار ہے۔ سیدنا معاویہؓ اور اموی سادات کے ساتھ جو ان میں سے بعض کی بے ادبی کا ثبوت ملتا ہے تو یہ بعد کی باتیں ہیں۔ خود حضری نے امام زید رضی اللہ عنہ کے خروج کے کوائف بیان کرتے وقت یہ متفق علیہ بات بیان کی ہے کہ جب امام زیدؒ نے خروج کی تیاری مکمل کر لی تو آپ کے ہاتھ پر جان دینے کی بیعت کرنے والوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ ابوبکر و

کتاب اللہ

آیتِ استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو زمین پر خلافت دینے کا جب وعدہ کیا تو اس میں مطلقاً اس کا اشارہ نہیں کہ یہ وعدہ صرف تیس برس کے لیے ہے (النور : ۵۵)۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي

اللہ تمہارے ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ وہ یقیناً انہیں زمین پر ایسے ہی حکومت عطا فرمائے گا جیسے اس نے ان

تکمر کی بابت آپ کی رائے کیا ہے ؟" آپ نے جواب دیا تھا (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ : ج ۲ ص ۱۹۵)

رحمهما الله وغفر لهما ما سمعت احداً من اهل بيتي يقول فيهما الا خيراً وانّ اشد ما اقول فيما ذكرتم انا كنّا احقّ بسلطان من رسول الله صلى الله عليه وسلم من الناس اجمعين فدفعونا عنه ولم يبلغ ذلك عندنا بهم كفراً وقد وَلّوا فعدلوا في الناس وعملوا بالكتاب والسنة "

" اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی خطائیں بخشے ! میں نے اپنے گھر والوں میں کسی کو ان کا ذکر بھلائی کے سوا کسی دوسری طرح کرتے نہیں سنا تم نے جو کچھ کہا اس پر میں جو سخت سے سخت بات کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ سب لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے حقدار ہم تھے لیکن انہوں نے ہمیں اس سے دور رکھا۔ یہ بات ہمارے نزدیک کچھ کفر کی نہیں کیونکہ یہ لوگ جب حاکم ہوئے تو انہوں نے لوگوں کے ساتھ عدل کیا اور کتاب وسنت پر عمل رکھا۔"

جو لوگ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ہیں ان کی زبان وقلم سے وہ کلمات ہرگز نہیں نکل سکتے جو الفاظ معز الدولہ نے مسجدوں کے دروازوں پر لکھوائے۔ چنانچہ یہاں ہم زیدی مذہب کے ایک بڑے عالم محمد بن الحسن دیلمی یمانی کی کتاب قواعد عقائد آل محمد کے وہ ابتدائی کلمات نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ کے مذہب کے بطلان پر لکھی ہے۔ یہ کتاب مرحوم امام یحییٰ حمید الدین کے کتب خانہ میں محفوظ تھی۔ اور ۱۹۵۰ء میں مطبعۃ السعادۃ مصر

Marfat.com
Marfat.com

ارتضیٰ لھم ولیبد لنھم من بعد خو
فھم اَمنًا ہ یعبد ونني لا یشرکون
بی شیئًا وَمن کَفَر بعد ذلک فاولیک
ھم الفاسقون

سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور وہ یقیناً اُن
کے لئے وہی دین برپار کھے گا جو اس نے اُن کے لئے
پسند کیا ہے اور وہ یقیناً ہر خوف کے بعد انہیں امن
سے نوازے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے۔ میرے
ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اس (وعدہ) کی موجودگی میں بھی)
کوئی انکار کرے تو یہی لوگ ہیں فاسق (یعنی بدراہ)"

(بقیہ حاشیہ) سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی ابتدا ان کلمات سے ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبل الاشتغال ببیان مذھب الباطنیۃ
نتذکر طرفًا من مذھب الغلاۃ والمفوضۃ
لانھم منھم ایضاً۔ وذلک لانَّ اصول مذھب
الغلاۃ والمفوضۃ والباطنیۃ من الاسماعیلۃ
والامامیۃ الاثنی عشریۃ مختلط بعضھا
ببعض فی کثیر من المسائل ولذلک قیل
الامامیۃ دھلیز الباطنیۃ لانّ اکثر دخلوا فی
الشیعۃ من جھتھم وکلّھم یدّعون
التشیع ویغلون فی الدین ویخرجون
من طریق المسلمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باطنیوں کا مذہب بیان کرنے سے پہلے ہم غالیوں
اور مفوضوں کی بعض باتیں بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ
وہ لوگ بھی انہی میں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ غالی ہوں یا
مفوضی، اسماعیل باطنی ہوں یا اثنا عشری امامی، ان
سب کے مذہبی اصول بہت سے مسائل میں ایک دوسرے
سے ملتے جلتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ امامیہ کا
مذہب باطنی مذہب کی دہلیز ہے۔ انہی کے ذریعہ
لوگ شیعیت میں داخل ہوتے ہیں اور سب کے سب
تشیع کے مدعی ہو کر دین میں غلو کرتے ہیں اور مسلمانوں
کے طریق سے نکل جاتے ہیں۔

مفوضہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے کار دیار سیدنا علیؓ کے اور ان کی اولاد کے سپرد کر رکھا ہے:۔

Marfat.com

اب یہ کیا غضب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس عام وعدہ کو جو قیامت تک کے لیے پوری امت سے ہے، صرف تیس برس کے لئے سمجھ لیا جائے، جس میں سے پانچ برس خالص اختلال کی نذر ہو جائیں اور فتنہ پر فتنہ بپا ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ امت اس لیے بپا کی تھی اور اس غرض سے انہیں زمین پر گواہ بنایا تھا کہ وہ اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظام پورے تیس برس بھی نہ چلا سکے۔ اور یہ توفیق نہ ہو کہ اگر گردابِ فتن میں مبتلا ہو جائے تو اس سے نکل کر وعدۂ الٰہی کا مورد بن سکے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا

ان اللہ تعالیٰ فوّض امر العالم الی الائمۃ علیّ والحسن والحسین علیہم السلام وباقی الائمۃ من بعدھم وھم یخلقون ویرزقون ویمیتون ویحیون ویبعثون ویعاقبون ویثیبون (ص ۱)

"اللہ تعالیٰ نے کارِ جہاں آئمہ کے سپرد کر رکھا ہے یعنی سیدنا علی کے سیدنا حسن کے اور سیدنا حسین علیہم السلام کے اور اسی طرح ان کے بعد آنے والے باقی اماموں کے یہی لوگ پیدا کرتے ہیں، رزق دیتے ہیں، مارتے ہیں، زندہ کرتے ہیں قیامت کے دن اٹھائیں گے اور پھر جزا و سزا دیں گے۔"

پھر آگے چل کر (ص ۱۰۵ میں) باطنیوں کے کفر کی دسویں وجہ بتاتے ہیں :-

منہا انہم یکفرون الامۃ المسلمۃ بأجمعہا ویسمونہم الامۃ المنکوسۃ ای عن رشدھا ویسمون الائمۃ والعلماء والفضلاء من لدن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا الطواغیت والاصنام ... فاول صنم من اصنام الطاغوتیۃ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ومن کان مثلہم فی کل وقت وزمان ...

وھل ھذا الا کفر صراح وشرک محض؟

"علاوہ ازیں یہ لوگ (یعنی باطنیہ) تمام امت مسلمہ کی تکفیر کے قائل ہیں اور انہوں نے ان کا نام امتِ سرنگوں رکھا ہے۔ یعنی راہِ ہدایت چھوڑ دینے والی امت۔ پھر یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک کے آئمہ، علماء اور فضلائے امت کو شیاطین اور اصنام کہتے ہیں (ان کے نزدیک) شیطانی بتوں میں پہلے بت ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں، پھر عثمان ہیں اور انہی کی قسم کے دوسرے سب حضرات ہیں جو کبھی اور کسی وقت پیدا ہوتے ہوں کیا یہ خیال صریح کفر اور شرک محض نہیں ہے؟"

Marfat.com
Marfat.com

ہے کہ وہ ہمیشہ ان کا دین برپا رکھے گا اور ہر خوف کے بعد امن سے نوازے گا، لیکن یہ مجدد و مجتہد بننے والے لوگ باور کرانا چاہتے ہیں کہ تیس برس کے بعد سے نہ دین برپا رہا، نہ خوف کے بعد امن نصیب ہوا اور نہ اختلال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کی کوئی سبیل پیدا کی۔ گمراہی کا جو نظام امیر المومنین معاویہؓ کے عہد سے قائم ہوا، اسی پر یہ امت چل پڑی۔ اب یا تو انہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو غلط یا عارضی قرار دیں (نعوذ باللہ من ذلک) یا پھر سمجھیں کہ خود یہ غلطی پر ہیں اور صحابۂ کرام اور ان کا اتباع کرنے والی جماعت حق پر تھی اور جو منہاج انہوں نے قائم کیا وہ صواب تھا۔

دراصل لوگوں نے خلافتِ نبوت کے متعلق خیالی اور وضعی باتیں پیدا کر لی ہیں اور خلفائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے منہاج کی حقانیت اپنے خود ساختہ تصورات کے تحت ظاہر کرنے کے لئے ایسی ایسی احمقانہ روایتیں گھڑی ہیں کہ ان کی عقلوں پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ حضرت امیر المومنین

(بقیہ حاشیہ) غرض یہ ہے کہ خضری کا یہ بیان کسی درجہ میں درست نہیں کہ آلِ بویہ زیدی مذہب پر تھے اور نہ ان لوگوں کا قول درست ہے جو انہیں معتزلی المذہب کہتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ سلف صالحین کا منہاج چھوڑ چکے تھے۔ انہیں امام زیدؒ یا ان زیدی ائمہ سے کچھ علاقہ نہ تھا جن کے ہاتھ پر اُن کا مسلمان ہونا بتایا جاتا ہے۔ یہ تو بائیوں کے ہتھے چڑھ چکے تھے۔ اگر انہیں ادنیٰ ترین درجہ میں بھی حسن الاطروش سے کچھ عقیدت ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے زیرنگیں علاقوں میں ان کا مذہب اور ان کی نسل دونوں کو ختم کر دیں۔ زیدی مذہب کا احیاء تو آلِ بویہ کے ختم ہو چکنے کے بہت بعد کیا گیا اگرچہ بعض زیدی لوگ صحابۂ کرام کے مذہب سے دور جا پڑے ہیں، لیکن اصولاً ان کے ہاں جماعت کی حرمت ہے جمہور صحابہ کی تعظیم کرتے ہیں، کتابِ مبین پر ان کا ایمان ہے اور سنت کے ساتھ استمساک کرتے ہیں۔ مرحوم امام یحییٰ حمید الدین ایسے جامع الکمالات شخص تھے کہ زیدی مذہب کے علاوہ فقہ حنفی و شافعی و مالکی و حنبلی پر بھی انہیں عبور تھا اور چلتے پھرتے بھی وہ ہر مذہب والے کو اس کے مذہب کے مطابق فتویٰ دے دیا کرتے تھے۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زیدی لوگ اپنی اصل میں جماعت سے کس درجہ قریب ہیں۔ آلِ بویہ اور دوسرے سبائیوں کو زیدیوں سے کیا علاقہ؟

Marfat.com

علی کرم اللہ وجہہ کی بابت مسعودی کا بیان ہے (مروج الذہب، ج ۲، ص ۴۳۱)

لم یلبس علیہ السلام فی ایامہ ثوباً جدیداً ولا اقتنیٰ ضیعۃ ولا ربعاً الا شیئاً کان لہ بینبع مما تصدق بہ وحبسہ

"(سیدنا علی) علیہ السلام نے اپنی خلافت کی پوری مدت میں نیا کپڑا نہیں پہنا اور نہ کوئی گاؤں خریدا اور نہ زمین رکھی سوائے ینبع کی کچھ جائداد کے جو آپ نے صدقہ اور وقف کر دی تھی۔"

گویا آپ کے لئے کارگاہ میں پہلے ہی سے پرانا کپڑا بُنا جاتا تھا، یا دوسروں کی اُترن پہنا کرتے تھے۔ یعنی اوروں کے لیے نیا کپڑا پہننا جائز تھا مگر سیدنا علیؓ کے لیے ناجائز۔ یہ فرضی اور خیالی بات جو مدح سے زیادہ ذم ہے، اس شخص کے متعلق کہی گئی ہے جس کے سامنے قرآن مجید کی ایک ایک آیت اُتری اور جو تیئس برس تک جلوت و خلوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ جس نے زندگی میں نو نکاح کیے اور ان کے علاوہ کئی اولاد والی لونڈیاں (امہات اولاد) چھوڑیں، جس کے تیس سے زیادہ اولادیں ہوئیں، جس پر اُن کا نان و نفقہ فرض تھا، جس کی محض زکوٰۃ کی رقم ہزاروں دینار ہوتی تھی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ ایسی ہی فضول اور لغو باتیں حضرت فاروق اعظمؓ حضرت صدیق اکبرؓ بلکہ خود سرورِ معلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت وضع کی گئی ہیں جن کا نہ سر ہے نہ پیر۔

پھر ان لوگوں کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ خلافت یا ملوکیت یا بادشاہت یا ریاست یا مملکت یا جو بھی اس کا نام رکھا جائے، اس کا انحصار سربراہِ حکومت کی شخصیت یا کارکنوں کی ذاتوں پر نہیں ہوتا اس سے مراد ہوتا ہے وہ اجتماعی سیاسی نظام جو رائج الوقت ہو، وہ قوانین جن پر حکومت کی بنیاد ہو اور وہ دستور جس کے تحت سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام چلایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلامی حکومت اور خلافتِ نبوت کے مقاصد بتا دئیے ہیں جن کی تاویل و تفصیل کے لئے رازیؒ و زمخشریؒ سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر عربی داں عیاناً جانتا اور سمجھتا ہے۔ ارشاد ہے (الحج: ۴۱)

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ

وہ لوگ جنہیں ہم زمین پر جب حکومت عطا فرماتے

Marfat.com

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔

ہیں، تو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں اور تمام امور کی انجام دہی اللہ کے ہاتھ ہے۔"

جس حکومت نے ان شعبہائے زندگی کو منظم رکھا، اس نے مقاصدِ الٰہی پورے کر دئے۔ اگر ایسی حکومت کو بھی خلافتِ نبوت سے تعبیر نہیں کیا جائے گا تو پھر کتاب و سنت کی روشنی میں خلافت کی کوئی تعریف ہی نہیں۔

اولی الامر

قرآن حکیم میں جا بجا اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے۔ مثلاً (النساء: ۵۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔

اے اہل ایمان اللہ کی اطاعت کیا کرو اور اس کے رسولؐ کی بھی اطاعت کیا کرو، اور ان کی بھی جو تم میں سے حاکم ہوں۔ اب اگر کسی مسئلہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ہے سب سے بہتر طریقہ اور نتیجہ کے لحاظ سے بہتر صورت۔"

یہاں اور ایسے ہی دوسرے مقامات پر اس کی قطعاً کوئی تحدید نہیں کہ اولوالامر فلاں طبقہ اور فلاں حیثیت کے ہوں گے، فلاں زمانہ سے اس کا تعلق ہوگا، یا فلاں طریقہ پر برسرِ اقتدار آئیں گے۔ یا اس حکم کا اطلاق فلاں وقت تک ہوگا اور اس کے بعد اولوالامر کی اطاعت اللہ و رسولؐ کی اطاعت نہیں رہے گی۔

صرف ایک آیت ہے وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ) (وہ اپنے معاملات باہم مشورہ سے طے کیا کریں گے) لیکن کسی زمانہ میں اور کسی صاحبِ عقل نے اس کا مطلب یہ نہیں لیا کہ اپنے گھر کے معاملات میں اپنے محلے والوں سے مشورہ لیا کریں، یا مریض کی بابت انجنیئر سے رائے لی جائے، یا طبیعات کا مسئلہ اور عملِ کیمیاوی کی کوئی اُلجھن ہو تو اس کا حل فقیہ سے دریافت کیا جائے، یا علمِ عروض کی بات ہو تو درزی سے اس کی تحقیقات کی جائے۔ زندگی کے ہر شعبہ کے لوگ الگ الگ ہوتے ہیں۔ سیاست کا تعلق اربابِ

Marfat.com

Marfat.com

حل وعقد سے ہے۔ یعنی ان لوگوں سے جو عملی سیاست کے ماہر ہوں، یا معاشرہ میں ان کی یہ حیثیت ہو کہ اجتماعی مسائل میں رائے دیں، تو اسے وقعت کی نگاہ سے دیکھا جا سکے۔ ارشادِ خداوندی ہے: (النساء ۸۳)

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝	جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو اُسے شہرت دینے لگتے ہیں۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اُسے رسول اللہ تک پہنچا دیں اور اپنے حاکموں تک تاکہ جو لوگ اس قسم کے مسائل اور صورتِ حال کا تأمل کی سکتے ہیں وہ بات کی تہ تک پہنچ سکیں۔ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند کے علاوہ باقی سب تم شیطان کے پیچھے ہو لیا کرتے۔

اس آیتِ مبارکہ میں ایک اہم دستوری مسئلہ بیان ہوا ہے کہ امورِ سیاسی پر غور و فکر اور رائے زنی کا حق اربابِ سیاست کو ہے۔ عسکری امور سے باخبر رہنا اور خطرناک نتائج سے بچنے کی تدبیریں کرنا امرائے عساکر کا کام ہے۔ نظری حیثیت سے مسئلہ کا مالہٗ وماعلیہ دریافت کرنا فقہاء اور قانون داں لوگوں کے ذمہ ہے۔ یہ شرط کہ بات اُن تک پہنچائی جائے جو مسئلہ کا حل دریافت کر سکتے ہیں، اس سے ان سب لوگوں کی تردید ہو گئی جو اس بات کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہر قسم کا مسئلہ ہر کس و ناکس کے سامنے رکھ دیا جائے اور جو بات سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کی بھی رائے لی جائے۔

دوسرا اہم معاشرتی مسئلہ بیان ہوا ہے کہ افواہیں پھیلانا اور بے تحقیق باتوں کو ایک کان سے دوسرے کان میں پہنچانا شیطانی فعل ہے۔ اس کے ذیل میں وہ سب لوگ آجاتے ہیں جنہوں نے مجہول راویوں کی روایتیں اپنی کتابوں میں بھر دی ہیں اور درایت و عدل کو خیرباد کہہ کر امت کو گمراہ کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا۔ ان کی بیان کردہ باتوں کو جب تک سند بنا کر لوگ پیش کرتے رہیں گے، ان سب کی گمراہی کا وبال ان مصنفوں پر پڑے گا، اور ان کے نامۂ اعمال کی سیاہی قیامت تک بڑھتی چلی جائے گی۔

تیسرا اہم بنیادی مسئلہ یہ بیان ہوا کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم

Marfat.com

کی راہ سے ہٹ کر یا ان کے اجماع کی توہین کر کے کوئی دوسری راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، وہ حیانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کتاب وسنت کا علم اصحابِ رسول اللہ علیہ اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھا، انہیں ہے۔ اس طرح یہ سب شیطان کے پیرو بن گئے۔

اہل عالم پر یہ اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت کو ہمیشہ جماعت رکھا اور ہر زمانہ میں اسلام کی نمائندگی کا شرف اسی متبعِ سنت جماعت کے ہاتھ میں رکھا، یہ برکتِ صحابہ کرام کے قائم کیے ہوئے نظامِ خلافت کی ہے اور اسی کا کمال یہ نکلا ہے کہ آج تک کبھی اور روئے زمین کے کسی گوشہ میں اہلِ عالم نے یہ نہیں سمجھا کہ اسلام کے متعلق صحیح معلومات پیش کرنے کا حق کسی درجہ میں انہیں بھی ہے جو جماعت سے کٹ گئے اور اپنی اپنی ٹولیاں بنا کر اپنا سود و زیاں جماعت سے جدا کر لیا۔ اسلام اور مسلمانوں کی جب بات ہوگی، شمال میں جنوب میں، مشرق میں، مغرب میں، مسلمانوں کے حلقے میں یا کافروں کے اداروں میں، وہ بات ہمیشہ اسی قرآن مجید سے ہوگی جو امتِ محمدیہ کے ہاتھ میں ہے، اسی نظامِ خلافت سے ہوگی جو حضرت صدیق اکبرؓ اور آپ کے خلفاء کا ہے اور اسی نظامِ فقہی سے ہوگی جو حضرت امام اعظم سے لے کر حضرت امام احمدؒ کے عہد تک مدوّن ہوا۔

امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے جتنے خلفا ہوئے، ان کے برسرِ اقتدار آنے کے طریقے مختلف رہے، کسی کے طریقۂ انتخاب میں دوسرے طریقۂ انتخاب سے مماثلت نہیں۔ اس اختلاف میں وجہ اتفاق صرف ایک ہے یعنی امت کا اجماع اور یہی اصل اصول ہے۔ یہ کہنا کہ انتخاب کا فلاں طریقہ درست ہے اور فلاں غلط، فلاں صواب ہے اور فلاں مشتبہ، یہ لوگوں کی اپنی خیالی باتیں ہیں اور صحابۂ کرام کے ساتھ گستاخی پر مبنی۔ یہ جو لوگ جمہوریت جمہوریت کی رٹ لگاتے ہیں، اگر یہ اپنے ہی زمانہ کو دیکھیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایک لفظ جمہوریت کی کتنی تعبیریں موجود ہیں، انگلستان، امریکہ، فرانس، روس، چین اور ہندوستان سب جگہ جمہوریت ہی کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور یہ دعویٰ سب کو تسلیم بھی ہے تو اُن کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ اسلام میں جمہوریت کا جو تصور ہے اس کی بھی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ویسے اگر انصاف اور اخلاص سے دیکھا جائے کہ صحیح معنوں میں کس شخص کو اپنے منتخب ہونے سے پہلے ہی جمہور اہل اسلام کی تائید حاصل تھی، تو تاریخ اسلام میں ایسا سب سے

Marfat.com

پہلا شخص امیر المومنین معاویہؓ ہیں۔ باقی سب کے لیے محدود استصواب ہوا تھا اور بعض کے لیے استصواب قطعاً نہیں ہوا، اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ اسلام صرف جمہوریت کا قائل ہے کہ جو شخص برسرِ اقتدار آئے اسے امت قبول کرلے اور اس کی اطاعت کو اللہ و رسول کی اطاعت جانے، اس کے خلاف کھڑے ہونے والوں کا ساتھ نہ دے بلکہ انہیں باغی اور واجب القتل سمجھے۔

سُنّت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر اپنے بعد خلافت کے بارے میں تصریحات کی ہیں، وہاں بھی کوئی بات ایسی نہیں جس سے زمانہ کی قید نکالی جاسکے۔ بلکہ زمانہ کی قید نکالنے کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کا لایا ہوا دین، آپ کی بنائی ہوئی امت اور آپ کا برپا کردہ نظام تھوڑی سی مدت کے لیے ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبیٌ خلفه نبیٌ وانه لا نبی بعدی فسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعة الاوّل فالاوّل۔ اعطوهم حقهم فان اللہ سائلهم عما استرعاهم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے فرمایا "آپ کا ارشاد ہے" بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی ایک نبی کا جب انتقال ہوتا تو ان کی جگہ دوسرے نبی کا تقرر ہو جاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے (یا یہ کہ ایک وقت میں کئی کھڑے ہو جائیں گے) صحابہ نے عرض کیا" پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" فرمایا جو بھی پہلے آتا جائے اس کی بیعت پوری کرو، اور ان کے حقوق ادا کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی رعایا کے بارے میں ان سے خود ہی باز پرس کرے گا (بخاری و مسلم)

اس متفق علیہ حدیث کی موجودگی میں خلفاء کی تعداد مقرر کرنا انتہائی جرأت کا کام ہوگا۔ دین کی شوکت اور تمام عالمِ اسلام میں ایک مستحکم امامت کے قیام کے متعلق آپ نے پیشگوئی فرمائی۔ (صحیح بخاری: کتاب الاحکام صحیح مسلم: کتاب الامارۃ)۔

Marfat.com

عن جابر بن سَمُرَةَ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون اثنا عشر امیراً فقال کلمۃً لم اسمعہا فقال ابی انہ قال کلہم من قریش

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ بارہ امیر ہوں گے۔ پھر آپ نے کچھ فرمایا جو میں سن نہ سکا تو میرے والد نے بتایا" فرمارہے ہیں کہ سب قریش میں سے ہوں گے"

اس کے بعد مسند احمد میں نہایت قوی سند سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے (ج ۱، صہ ۳۹۸)

عن مسروق بن الاَجْدَعِ الہمدانی قال کنا جلوساً عند عبد اللہ بن مسعود وہو یقرئنا القرآن۔ فقال لہ رجل یا ابا عبد الرحمٰن ہل سألتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم یملک ہٰذہ الامۃ من خلیفۃ۔ فقال عبد الرحمٰن مسعود ماسألنی عنہا احدٌ منذ قدمتُ العراق قبلک۔ ثم قال نعم ولقد سألنا ہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اثنا عشر کعدۃ نقباء بنی اسرائیل

حضرت مسروقؒ بن اجدع ہمدانی سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں ہم حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ ہمیں قرآن مجید پڑھا رہے تھے ایک صاحب نے دریافت کیا" اے ابو عبدالرحمٰن! کیا آپ حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ اس امت میں کتنے خلیفہ بااختیار ہوں گے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا" جب سے میں عراق آیا ہوں تم سے پہلے کسی شخص نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا" پھر فرمایا۔ ہاں ہم نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا" بارہ" یعنی جتنے بنو اسرائیل کے نقیب تھے۔

یہ حدیث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد کی ہے اور اسی وقت سے صحابہ کرام نے امت کو بتا دیا تھا کہ ان کے دور میں بارہ بااختیار خلیفہ ہوں گے۔ گویا یہ اختتام خلافتِ امویہ تک کی بشارت ہے۔ یہ شرف اموی خلفاء کو حاصل رہا کہ تمام عالمِ اسلام کا ایک سیاسی مرکز تھا اور صرف ایک امام ہوتا تھا، جس کا حکم پوری اسلامی دنیا پر چلتا تھا۔ اور یہ شرف بھی صرف اموی خلفاء کو حاصل ہے کہ صحابہ کرام نے ان سے

Marfat.com

بیعت کی ۔ بعد کے خلفاء زمانہ گزر جانے کی بنا پر اس شرف سے محروم رہے ۔ یہ سعادت بھی اموی خلفاء ہی کو حاصل تھی کہ ان کی مملکت کے کارکنوں میں صحابۂ کرام ہوتے تھے ۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔ آخر عہدِ اموی تک کا زمانہ صحابۂ کرام کا زمانہ ہے اور جو نظام مملکت تھا وہ صحابہ ہی چلا رہے تھے اور انہی کی رائے اور منشاء کے مطابق کاروبارِ جہانبانی قائم تھا ۔

ایک اہم حدیث

سیاسیات اسلامیہ کے متعلق صحاح میں ایک نہایت ہی اہم حدیث ہے جس پر عموماً توجہ نہیں کی جاتی ۔ اور اگر کسی نے اس پر توجہ کی بھی تو تعبیر میں غلطی کی ۔ (صحیح بخاری ، کتاب الفتن ، باب کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

کان الناس یسئلون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخیر وکنت اسألہ عن الشر مخافۃ ان یدرکنی ۔ فقلت یارسول اللہ انا کنا فی جاھلیۃ وشر فجاء نا اللہ بھذا الخیر فھل بعد ھذا الخیر من شر ؟ قال نعم ، قلت وھل بعد ذالک الشر من خیر قال نعم وفیہ دخن ، قلت وما دخنہ قال قوم یھدون بغیر ھدیی تعرف منھم وتنکر ۔ قلت فھل بعد ذلک الخیر من شر ؟ قال نعم دعاۃ علی ابواب جھنم من اجابھم الیھا قذفوہ فیھا ۔ قلت یارسول اللہ ! صفھم لنا ؟

لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی بابت پوچھا کرتے تھے لیکن میں شر کے متعلق بات کیا کرتا تھا کہ کہیں میرے زمانہ میں بپا نہ ہو میں نے عرض کیا " یا رسول اللہ ! ہم جاہلیت اور شر میں تھے ، پھر اللہ تعالیٰ ہمارے پاس یہ خیر لے آیا (یعنی اسلام) تو کیا اس خیر کے بعد کچھ شر آجائے گا ؟ " فرمایا " ہاں " میں نے عرض کیا " اس شر کے بعد خیر ہوگی ؟ " فرمایا " ہاں مگر اس میں کمزوری رہے گی " میں نے عرض کیا " کمزوری کیا ہوگی ؟ " فرمایا " ایسے لوگ ہوں گے جو میری ہدایت کا خیال کئے بغیر عمل کریں گے ۔ کوئی بات تمہیں ان کی گوارہ ہوگی اور کوئی ناگوار " میں نے عرض کیا " پھر اس خیر کے بعد تو شر نہیں آئے گا ؟ " فرمایا " ہاں جہنم کے دروازوں پر بلانے والے کھڑے ہوں

Marfat.com

قال هم من جلدتنا ويتكلمون بألسنتنا۔ قلتُ فما تأمرني ان ادركني ذلك؟ قال تلزم جماعة المسلمين وامامهم۔ قلتُ فان لم يكن لهم جماعة ولا امام؟ قال فاعتزل تلك الفرق كلها ولو ان تعض باصل شجرة حتى يدركك الموت وانت على ذلك۔

گئے، جو بھی اس طرف ان کے کہنے سے جھکے گا وہ اسے اس میں (جہنم میں) جھونک دیں گے۔" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ان کی علامت تو بتایئے؟" فرمایا ہم ہی میں سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔" میں نے عرض کیا: "اگر ایسا وقت مجھ پر آجائے تو پھر میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟" فرمایا: "مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے وابستہ رہنا۔" میں نے عرض کیا "اگر ان کی جماعت اور امام نہ ہو تب؟" فرمایا: "تو پھر ان سب فرقوں سے الگ ہو کر بیٹھ رہنا، اگرچہ کسی درخت کی جڑ کو دانتوں سے پکڑنا پڑے، تاآنکہ تمہیں موت آجائے اور تمہیں اس حال میں پائے۔"

امامت کے بارے میں یہ حدیث بڑی اہم نص ہے۔ سیدنا حذیفہؓ پر اللہ کی یہ بڑی رحمت تھی کہ فتنہ پھیلنے سے پہلے ہی آپ کو اٹھا لیا گیا۔ امیر المومنین سیدنا عثمان صلوات اللہ علیہ کی شہادت سے کچھ ہفتے بعد مدائن میں وفات پائی اور ان ہنگاموں کا آپ پر کچھ اثر نہ ہوا جو مرکز اسلام میں بپا تھے۔

اس ارشادِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے اور حقیقت بھی یونہی ہے کہ اسلام کے بعد جو شر آیا وہ تمام عالم کو محیط ہو جاتا، اگر اللہ تعالیٰ ارتدادِ عرب کے وقت حضرت صدیق اکبر صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو قائم کر کے آپ کو وہ عزیمت نہ بخشتا جس نے اسلام کو معجزانہ بچا لیا۔

اس کے بعد خیر کا زمانہ ہے وہ صدیوں تک کا ہے، یعنی اس وقت تک کا جب مسلمانوں کی جماعت اور اس کا امام نہ ہو۔ اس دورِ خیر میں اس جماعت اور اس کے ائمہ کے حلقہ سے باہر وہ لوگ ہوں گے جو جہنم کے دروازوں پر کھڑے بلا رہے ہوں گے۔ کسی ایک دروازہ پر نہیں بلکہ سب دروازوں پر، اور قسم قسم کی گمراہیاں اور عقائد باطلہ لے کر امتِ محمدیہ کو تباہ کرنے کے درپے ہوں گے۔ اس صورت میں پناہ کی ایک ہی سبیل ہوگی کہ آدمی جماعت اور اس کے امام سے وابستہ رہے، ہر وہ تحریک جو جماعت کو کمزور اور امام

جماعت کی فاعلیت کم کرنے کے لیے چلائی جائے گی۔ وہ جہنم میں دھکیل دینے کے مترادف ہوگی۔
یہ کمزوری خود مسلمانوں میں بھی ہوگی۔ وہ اور ان کے امام سب کے سب یک گونہ اس کمزوری میں مبتلا ہوں گے۔ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو دین سے عقیدتاً وابستہ اور جماعت میں شامل رہنے کے باوجود معیاری زندگی بسر نہیں کریں گے۔ ان کی بعض باتیں اچھی ہوں گی اور بعض بُری۔ ہر بڑی قوم میں جس کا حلقہ اثر و نفوذ وسیع اور مدتِ بقاء طویل ہو، اس کے ساتھ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ چھوٹے پیمانہ پر تو ممکن ہے کہ ہر شخص معیاری زندگی بسر کرے اور تعلیمات میں پورا رچا ہوا ہو، لیکن یہ امر فطرتِ انسانیہ کے خلاف ہوگا کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد جب ہو، اور ملک کے ملک ان کے تصرف میں ہوں تو ان کے اندر کوئی خرابی اور کمزوری نہ آئے۔

دعوتِ محمدیہ کی بنیاد فطرۃ اللہ پر ہے جس کا ایک بنیادی اصول ہے "کُلٌّ یعمل علیٰ شاکلتہ" (ہر شخص اپنی افتادِ طبع کے مطابق عمل کرتا ہے) غلطیاں ہوتی ہیں، گناہ ہوتے ہیں، خرابیاں آتی ہیں، کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں، لیکن ان سب باتوں کے باوجود چونکہ وہ اپنی زندگی کا معیار عقیدتاً وہی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر فرمایا ہے، اس لیے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں نوازتا ہے۔ انہیں سزائیں ملتی ہیں لیکن ہر خوف کے بعد امن اور ہر ذلت کے بعد انہیں سربلندی عطا ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ دعوتِ نبوت کا علمبردار ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا رتبہ بلند ہے اور تمام اقوامِ عالم کے مقابلہ میں حق کی گواہی کا شرف انہی کو حاصل ہے (الفاطر ۳۲):-

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ۔

پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں اپنے بندوں میں سے چُن لیا تھا۔ بعض ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، بعض درمیانی راہ چلنے والے اور بعض ایسے جو اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف رغبت کے ساتھ بڑھیں۔ یہ ہے بڑا فضل"

جب تک جماعت اور اس کا امام موجود ہے وہ خیر کا مرکز ہے اور رحمتِ الٰہی کا مورد، اگرچہ

Marfat.com

Marfat.com

اس امام یا اس کی جماعت کے افراد کے افکار و اعمال معیاری نہ ہوں۔ وجہ ظاہر ہے کہ کتاب کی وراثت نے انہیں سب کو برگزیدہ کر دیا ہو گا اور چونکہ نظام بہرحال برپا ہو گا' اس لیے اس کی یہ برکت بھی مشہور ہو گی کہ اصلاح کے امکانات قوی ہیں۔ جب تک جماعت اور اس کا امام ہے اس وقت تک کسی قسم انتشار پھوٹ ہلاک نہیں ہو سکتا اور نہ جماعت پراگندہ ہو سکتی ہے۔ ہر ٹھوکر کے بعد سنبھلیں گے اور ہر انتشار کے بعد مرکزیت کی طرف دوڑیں گے۔

لیکن جب وہ وقت آجائے کہ نہ مسلمانوں کی جماعت ہو اور نہ اس کا امام تو پھر وقت ہو گا اپنے اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر کا۔ مسلمانوں میں اگر کچھ جان ہو گی تو پھر وہ قرونِ اولیٰ کی طرف لوٹنے کی کوشش کریں گے، کہ نئے سرے سے امت کی شیرازہ بندی ہو اور اس میں مرکزیت پیدا کر کے امام کے نصب کا انتظام کیا جائے

امت کی پوری تاریخ میں یہ منحوس زمانہ ہمارا ہے کہ عالم اسلام کا کوئی امام نہیں اور نہ جماعت کا کوئی نظام ہے۔ سب کے سب جغرافیہ، نسل اور فرقہ بازی کے شرک میں مبتلا ہیں اور محض ادنیٰ زمینی اور مادی منافع کے درپے۔ وہ مقصد علیا جس کے لئے اس امت کی تشکیل کی گئی تھی۔ سب نے پسِ پشت ڈال دیا مسلمانوں کی بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں موجود ہیں، لیکن سب کی سب آپس میں ایک دوسرے برسرپیکار ہیں لیکن جو طاقتیں حقیقتاً اور عقیدتاً اسلام کی دشمن اور مسلمانوں کو فنا کرنے کے درپے ہیں' ان کے سامنے سب کے سر خم ہیں۔ ان کفار نے اور ان مکذبانِ دعوتِ محمدیہ نے عالم اسلام کو آپس میں بانٹ رکھا ہے اور ان کی کوشش ہے کہ مسلمان کسی طرح ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہونے پائیں۔

عالم اسلام کی اس صورتِ حال سے دعوتِ محمدیہ کے مقاصد ضائع ہو رہے ہیں' اور مسلمانوں میں روز بروز اپنے دین سے بیگانگی بڑھ رہی ہے۔ اگر کسی طرف سے کوئی آواز اٹھتی ہے اور کسی طبقہ میں جذبہ بیدار ہوتا ہے تو انہوں ہی کے ہاتھوں وہ بار ور نہیں ہو پاتا۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو امامتِ عالم کا منصب عطا فرمایا تھا۔ لیکن مسلمانوں کا عالم یہ ہے کہ کسی کے گلے میں صلیب ہے اور کسی کے سر پر درانتی۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو ملک جماعت سے کٹ کر امام کے حلقہ اثر سے باہر ہوا اسی پر کفر نے چھاپہ مارا۔ سب سے پہلے اندلس نے علیحدگی اختیار کی تھی' وہی سب سے پہلے دارالکفر بنا' اور ایسا کہ اب اسے دارالاسلام

Marfat.com

Marfat.com

بنا ناخواب وخیال ہو گیا۔ ہندوستان نے بھی امیر المومنین کی بیعت سے انکار کیا، اس پر انگریز مسلط ہو گیا، یہی حال مصر کا ہوا، بخارا کا ہوا، تا آنکہ آخری چرکہ عرب نے لگایا۔

حدیث بالا میں یہ الفاظ بہت غور طلب ہیں "وہ ہماری ہی نسل اور ہماری ہی زبان کے ہوں گے۔" ہوتے تو رہے، سب ہی شر کے داعی نام کے مسلمان اور عربی بولنے والے، کیونکہ عربی ہی سرکاری زبان تھی لیکن یہ کارنامہ صرف عربوں کا ہے اور وہ بھی ہاشمیوں کا کہ جو ملک ڈیڑھ ہزار برس سے دارالاسلام تھے۔ یعنی عراق و شام، ان پر نصاریٰ مسلط ہو گئے اور ساتھ ہی فلسطین میں "اسرائیل" کا مستقل ناسور جسدِ اسلام کو کھا جانے کے لیے جڑ پکڑ گیا۔

یہ خمیازہ اس جرمِ عظیم کا ہے کہ عربوں نے امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی اور اس کے لیے سہارا لیا، ان کا جن کے متعلق صریح حکم ہے (المائدۃ: ۵۱)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝	اے ایمان لانے والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا کارساز مت بنانا وہ آپس میں ایک دوسرے کے کارساز ہیں جس نے بھی ان سے دلی دوستی رکھی وہ انہی میں ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ظلم کیش لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جس امت کے نبی کی آخری وصیت تھی "اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب" (یہود و نصاریٰ کو عرب کے جزیرہ سے نکال دینا)، اسی ہادی برحق کی اولاد میں ایک شخص نے جان بوجھ کر یہود و نصاریٰ دونوں کو سرزمینِ عرب پر مسلط کر دیا۔ اشتر نخعی سے لے کر شریف حسین تک سب وہی لوگ امت کو تباہ کرنے کے درپے رہے جو اسلام کا جامہ پہنے رہتے تھے نسلاً عرب تھے یا عربی بولتے تھے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ کافروں سے کھلی جنگ میں مسلمانوں کو کبھی شکست نہیں ہوئی۔ ہر میدان انہوں نے مارا۔ البتہ ہر فتح کو شکست میں تبدیل کرنے والے وہ نام نہاد مسلمان تھے جو کافروں سے مل گئے، اور ان میں اکثر و بیشتر سبائی گروہ کے لوگ ہی ہوئے ہیں۔ تیرہ سو برس کی اس تاریخ سے بے اعتنائی برتنا انتہائی حماقت

Marfat.com

اور بدترین جہالت ہوگی۔

ایک اور حدیث

سیدنا نعمان بن بشیرؓ نے سیدنا حذیفہؓ سے اسی مضمون کو ایک اور طرح نقل کیا ہے۔ اگرچہ حدیث کا ماخذ قوی نہیں لیکن واقعات کے مطابق ہے اور اس میں ایک بات ہے بہت غور طلب۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں بیان کیا گیا ہے:۔

"تم میں نبوت کا وجود اس وقت تک باقی رہے گا جب تک خدا چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ نبوت کو اٹھالے گا اور اس کے بعد نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی جب تک خدا چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ خلافت کو اٹھالے گا اور اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی کاٹنے والی۔ جب تک خدا چاہے گا اسے قائم رکھے گا۔ پھر اس کے بعد نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی" اتنا فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ (مسند احمد و سنن بیہقی)

اس حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو میں نے ان کو یہ حدیث لکھ کر بھیج دی اور امید ظاہر کی کہ آپ ہی وہ خلیفہ ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں کاٹنے والے بادشاہ اور جبر کی حکومت کے بعد آیا ہے (حضرت امیر المومنین) عمر بن عبدالعزیزؒ اس سے بہت خوش ہوئے۔

مقدس نوشتوں کی اسی قسم کی تاویل سے پیچیدگی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ راوی حدیث نے اسے اس زمانہ پر منطبق کر دیا جو اسلام کی عظمت و عروج کا زمانہ تھا اور پھر ارشادِ نبوی کو اشخاص کے بارے میں سمجھ لیا۔ حالانکہ صراحتہً ذکر نظام کا ہے۔ کسی صرفی اور نحوی اصول یا علمِ معانی کے اعتبار سے اسے خلفاء کی شخصیتوں پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں پانچ قسم کی حکومتوں کے دور بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ **حکومتِ نبویہ:** جہاں اختلاف و اجتہاد کا کوئی سوال نہیں۔ محض سننا اور اطاعت کرنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی حکم دیں، اس کی تعمیل بے چون و چرا واجب ہے۔ اختلاف صرف ان امور میں تھا جو آپ بحیثیت بشر یا فرد ملت کے بیان فرمائیں، اور اجتہاد صرف ان امور میں جب آپ امام کی حیثیت سے کوئی رائے دیں۔ نبی کی حیثیت سے جو فرمائیں اس کی اطاعت فرض تھی۔ مثال کے طور پر غزوۂ احد کا ذکر کافی ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کی حیثیت سے یہ رائے ظاہر کی

Marfat.com

کی تھی کہ حملہ آوروں کا مقابلہ شہر میں رہ کر کیا جائے۔ لیکن صحابہ میں سے وہ حضرات جو شوقِ شہادت سے سرشار تھے وہ باہر نکل کر لڑنا چاہتے تھے اور یہی اکثریت کی رائے ہو گئی۔ آپ نے مآل حیاناً دیکھ چکنے کے باوجود اکثریت کے اس فیصلہ کو قبول کر لیا اور اندر ہتھیار لگانے تشریف لے گئے۔ اس عرصہ میں صحابہ پر انفعالی کیفیت طاری ہوئی اور سب نے فیصلہ کیا کہ جو حضورؐ کی رائے ہے اسی پر عمل کیا جائے اور جب آپؐ باہر تشریف لائے تو سب نے معافی مانگی اور عرض کیا کہ حضور جس طرح فرماتے ہیں اسی پر عمل فرمائیں۔ لیکن آپؐ نے فرمایا نبی جب ہتھیار لگا لیتا ہے تو پھر مہم سر کئے بغیر نہیں اتارتا۔

پہلا حکم بحیثیت امام کے تھا جس سے اختلاف کیا جا سکتا تھا لیکن دوسرا حکم بحیثیت نبی کے تھا جس سے سرتابی کی مجال نہیں۔ فرد ملت ہونے کی حیثیت سے آپ کے بہت سے مشورے آپ کے اصحاب رد کر دیا کرتے تھے۔ نظام اسلامی میں فرد آزاد ہے اور اپنی رائے کا مختار۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا واقعہ خود قرآن مجید میں موجود ہے کہ انہیں آپؐ نے بار بار مشورہ دیا کہ اپنی زوجۂ محترمہ کو طلاق نہ دیں، مگر انہوں نے دے دی۔ یہ اُن کا حق تھا جو انہوں نے استعمال کیا۔ کیونکہ میاں بیوی میں ایک دن نہ نبھی۔ بہرحال اس نہج کی حکومت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اب کوئی انسان ایسا نہیں آسکتا جس کی بات محض اس لیے مانی جائے کہ اس کی ہے اور نہ کسی کا ایسا حکم چل سکتا ہے جو اللہ و رسولؐ کے منافی ہو یا شخصی آزادی پر اس سے حرف آتا ہو۔ جس کا بھی حکم چلے گا وہ اسی وقت جب شریعت کے مخالف نہ ہو

یہ دور ہے کتاب و سنت کے مطابق دینوی حکومت کا۔ اس حکومت کے

۲۔ خلافتِ نبوّت : چلانے والوں میں کوئی شخص مطاع مطلق نہیں۔ اصل مطاع صرف اللہ اور اس کا رسول ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلفاء اور ائمہ کا کام ہے اللہ و رسولؐ کے احکام کا نفاذ۔ قانوناً کسی اصلِ دینی اور حکمِ صریح کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ اس حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان ایک مرکز کے تحت ایک جماعت کی صورت میں امامتِ عالم کے فرائض انجام دیں اور اقوامِ عالم میں وہ نظامِ عدل برپا کریں جو منشاء بعثتِ انبیاء ہے۔ اس حکومت میں کوئی شخص قانون سے بالا نہیں اور نہ کسی کا یہ منصب ہے کہ وہ قوانین بنائے اختیارات شخصِ واحد کے ہاتھ میں ہوں، یا ایک بااثر حلقہ کے۔ یہ حلقہ امام نے چنا ہو یا رعایا نے منتخب کر کے

Marfat.com

Marfat.com

امام کی مدد کے لیے بھیجا ہو۔ یا انتخاب ممدود استصواب پر مبنی ہو یا رائے عامہ لی جائے۔ یہ لوگ اپنی طرف سے خود کوئی قانون نہیں بنا سکتے۔ البتہ اللہ و رسول کے عطا کیے ہوئے احکام کے نفاذ اور ان احکام کی روح اور منشا کو بروئے کار لانے کے لیے اجتہاد کر سکتے ہیں۔ اسی لیے فقہائے اسلام نے یہ شرط رکھی ہے کہ جو لوگ کاروبارِ حکومت چلائیں ان میں اجتہاد کی قابلیت ہونی چاہیئے، تاکہ ماحول کے مطابق احکامِ الٰہی کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور فعال بنا کر معاشرہ میں زندگی اور ارتقاء برقرار رکھ سکیں۔ خامیاں سب میں ہوتی ہیں اور غلطیاں سب سے ہوتی ہیں، لیکن چونکہ مرجع موجود ہے لہٰذا اصلاح ہر وقت ہو سکتی ہے۔

۳۔ ملک عضوض : نظامِ خلافت ختم ہونے کے بعد کٹکھنی حکومت قائم ہوگی۔ ہر حکومت کی اپنی وفاداری، اپنا دستور اور اپنا منہاج ہوگا۔ سب ایک دوسرے کو حریفانہ دیکھیں گے اور اگر آپس میں ملیں گے بھی تو چند ادنیٰ مادی اور دنیوی مفاد کے لیے۔ مسلمانوں کی ایسی حکومتیں بھی قائم ہوں گی جو صراحت کر دیں کہ ان کی حکومت دینی نہیں ہے اور نہ مملکت کا مذہب اسلام ہے۔

اور ایسی حکومتیں بھی ہوں گی جو کہلائیں تو ہوں گی مسلم اور اس انتساب پر انہیں فخر بھی ہوگا۔ لیکن اللہ کی حرام کی ہوئی چیزیں ان کے ہاں قانوناً حلال ہوں گی اور ان کبائر کے ارتکاب کے لیے سرکاری طور پر آسانیاں فراہم کی جائیں گی۔ عدالتوں میں سودی کاروبار کے فیصلے ہوا کریں گے، سود خوروں کو سرکاری حمایت حاصل ہوگی، زنا کے لئے سرکاری اجازت نامے دیے جائیں گے اور شراب خانوں کو سرکاری ٹھیکے ملیں گے۔ آب کاری کا محکمہ حکومت کا ایک مستقل شعبہ ہوگا اور اس کے افسروں اور کارکنوں میں وہ لوگ ہوں گے جو بظاہر نماز روزہ کے پابند ہوں گے خود نشہ نہ کرتے ہوں گے، اسے حرام بھی جانتے ہوں گے۔ لیکن ان ملازمتوں کو حلال اور اپنی آمدنی کو طیب جانیں گے۔ نماز کا انتظام انفرادی ہوگا کہ جس کا جی چاہے پڑھے اور جو نہ چاہے نہ پڑھے۔ زکوٰۃ کی وصولیابی کا ان کے ہاں کوئی بندوبست نہیں ہوگا، لیکن ٹیکس لگانے پر یہ حکومتیں دلیر ہوں گی۔ جب یہ جنگ کریں گی تو مقصد اعلاء کلمۃ اللہ نہیں ہوگا، بلکہ ان کا جہاد ہوا کرے گا فی سبیل الوطن۔ غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکومتِ اسلامیہ کے جو فرائض بتائے ہیں وہ سب ان حکومتوں میں غارت کئے جائیں گے۔ اقامتِ صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کسی ایک بات کو بھی سرکاری حیثیت نہیں دی جائے گی، اور پھر بھی دعویٰ

Marfat.com

ہوگا مسلم حکومت ہونے کا اور بات بات میں اسلام اور سلف صالحین کا نام لیا جائے گا۔ ان ملکوں کے مقہور ہونے کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ انہوں نے عربی کو فروغ دینے کی بجائے اسے ملک بدر کر رکھا ہے۔ اللہ نے اپنی مصلحتوں کی بناء پر انسان کی اس فطری اور قدیم ترین زندہ و پائندہ زبان کو اپنی آخری کتاب کے لیے چنا اور صرف یہی وہ زبان ہے جو مسلمانانِ عالم کو ذہنی طور پر قریب لا سکتی ہے، لیکن اب سیاست کے معنی ہیں کہ اس زبان کے الفاظ اپنی اپنی زبان سے نکال دیے جائیں، تاکہ مسلمانوں کی اجنبیت مکمل ہو جائے اور جب وہ اپنے سالانہ بین الاقوامی اجتماع میں اپنے مرکز پر جمع ہوں تو ایک دوسرے کا منہ تکیں۔ عربی زبان سے بے نیازی بالآخر حج کو ختم کر کے رہے گی، جسے بے روح تو پہلے ہی کر دیا گیا ہے، عنقریب اس کا تصور بھی سرد ہو جائے گا۔

۴۔ جبر کی حکومت: جب مسلمانوں کی یہ حالت الم نشرح ہو جائے گی تو پھر انہیں مجبوری کی زندگی بسر کرنے کا عذاب دیا جائے گا، ان پر کفار مسلط ہوں گے اور معمولی فرائض دینیہ ادا کرنے کے لیے مسلمان اپنے ان کافر آقاؤں کے چشم و ابرو کو دیکھا کریں گے جیسے ہندوستان کے مسلمان ۱۹۴۷ء سے پہلے تھے، یا جیسے آج کے مسلمان کسی ایک کافر جتھے کے خیمہ بردار بنے ہوئے ہیں یا کسی دوسرے کافر جتھے کے۔ کہ اپنی سیاست، اپنی معاش، اور اپنی معاشرت سب دوسروں کے ہاتھ میں دے کر عملاً ان کے محکوم بنے ہوئے ہیں۔ سب سے نمایاں مثال چین اور روس کے کروڑوں مسلمانوں کی ہے۔ کہ جو مجبوری کی زندگی ان کی ہے ایسی حالت شاید ہی کسی جگہ کے مسلمانوں کی ہوتی ہو۔ جبر اپنی پوری شان سے وہاں ہو رہا ہے۔

یہ حالت جب انتہا کو پہنچ جائے گی تو پھر بطور ردِ عمل کے یا تو خود مسلمانوں میں آزادی کی حرکت ہو گی یا اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق نظامِ خلافت کے احیاء کے لیے کسی دوسری قوم کو حلقہ بگوش اسلام بنا کر اپنا کام لے گا۔ اس نے پہلے بھی ایسا کیا ہے "پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے" اور آئندہ بھی ایسا کرنے کی اسے قدرت ہے وہ قوموں کا محتاج نہیں۔ قومیں اس کی محتاج ہیں۔

اقوام عالم کی تاریخ میں ایک دور کے بعد اچانک دوسرا دور شروع نہیں ہوتا، بلکہ آثار پیدا ہوتے

Marfat.com
Marfat.com

ہیں اور ترقی کرتے چلے جاتے ہیں، تا آنکہ ایک دور بالکل ختم ہو جائے اور دوسرا دور بالکلیہ نمودار ہو جائے۔ اگر حدیث زیر نظر پر غور کریں تو واقعات کے بالکل مطابق ہے، تسبیح کے دانوں کی طرح ایک کے بعد دوسرا واقعہ رونما ہوتا رہا۔ اندلس اور ہندوستان وغیرہ کی علیحدگی سے لے کر عربوں کی بغاوت تک پہلا دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد خلافت اسلامیہ کا کہیں وجود نہیں، نہ مسلمان سیاسی حیثیت سے ایک جماعت ہیں اور نہ ان کا کوئی امام ہے اور نہ خلافت کے احیاء کے فی الحال امکانات ہیں۔

البتہ حریف مسلم ممالک ہیں جو کسی طرح ایک وحدانی نظام میں منسلک ہونے پر آمادہ نہیں۔ ان ممالک نے کفر کے دو حلقوں کے تحت مجبوری کی زندگی شروع کر دی ہے، تا آنکہ وہ وقت آجائے جب تمام عالم اسلام مجبور و مقہور ہو اور ان کا یہ تصور مٹ جائے کہ کفر کے سہارے کے بغیر بھی زندہ رہنے کا امکان ہے جیسے دیکھو یہ عذر پیش کرتا ہے کہ فی الحال بالکل غیر جانبدار رہنے کی سبیل نہیں۔ کسی نہ کسی جتھے میں شامل ہونا پڑے گا ورنہ ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ (المائدۃ ، ۵۲)

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ	تم دیکھو گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ ان میں گھسنے پر بڑے چست ہیں اور کہتے ہیں ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر کوئی افتاد نہ پڑ جائے۔

ابھی تو کفر کے اصرار پر یا اہل کفر کی خوشامد میں بعض "مسلم" حکومتوں نے "اسرائیل" کو تسلیم کیا ہے، پھر حکماً ایسا کرنا ہوگا۔ جب ذہنی غلامی اور سیاسی پستی انتہا کو پہنچ جائے گی تو غیرتِ حق کو حرکت ہوگی اور خلافتِ نبوت برپا کرنے کا وقت آجائے گا۔

فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ۔	ہو سکتا ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ فتح سے ہمکنار کرے یا کوئی اور صورت پیدا کر دے اور پھر دلوں میں یہ باطل خیال پالنے والے اپنی کوتاہ عقلی پر پشیمان ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو اُمَّةً وَسَطًا بنایا ہے (درمیانی امت) یہ ہر اعتبار سے درمیانی ہے جغرافیائی حیثیت سے یہ کفر کے دونوں جتھوں کے درمیان حجابِ حاجز ہے اور غیر جانبدار رہ کر تصادم کو

Marfat.com

رد کر سکتی ہے۔ معاشی اعتبار سے بھی درمیانی چال چلتی ہے، نہ اس کے ہاں سرمایہ داری ہے اور نہ شخصی ملکیت کی نفی، معاشرتی امور میں اس کا موقف فطری اور عادلانہ ہے، نہ اس کے ہاں طلاق حرام ہے اور نہ ایسی آسان کہ خاندان کی وحدت برقرار ہی نہ رہ سکے، دین اس کا دنیوی ہے یعنی تمام دینی امور ادا کرنے کے لئے اسے دنیا میں منہمک ہونا پڑتا ہے، نہ بالکل مادی طرزِ زندگی ہے اور نہ مادہ کی نفی کر کے خالص روحانی۔ اس کی آخرت کا انحصار اس کی دنیا پر ہے۔ اس میں طبقاتی کشمکش کے امکانات نہیں۔ اس کی حکومت میں نہ فرد اتنا آزاد ہے کہ جو چاہے نظریات رکھے اور جس قسم کے چاہے اعمال رکھے اور نہ فرد اتنا مجبور اور مقہور ہے کہ بطور خود نہ کچھ سوچ سکے اور نہ اپنی ذمہ داری پر کچھ کر سکے۔ غرض یہ ہے کہ ظاہراً و باطناً اس کے پاس وہ تمام وسائل موجود ہیں کہ اگر یہ دین کو پکڑے تو جغرافیہ، نسل اور زبان کی افتراق انگیزیوں سے نجات پا کر ایک عادلانہ وحدت بن سکتی ہے اور جب اللہ چاہے گا کہ خلافتِ نبوت قائم ہو تو اسے وحدت بن کر رہنا ہو گا۔ بہرحال مسلمانانِ عالم اگر اپنے دین سے اسی طرح بیگانہ رہے اور اس کے تقاضے پورے کرنے پر مائل نہ ہوئے تو پھر جب تک چاہے گا اللہ ڈھیل دے گا اور جب پکڑے گا تو اس کے چنگل سے یہ نکل نہ سکیں گے۔ وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (میں انہیں ڈھیل دیتا رہتا ہوں مگر میرا دل مضبوط ہوتا ہے) آخری فتح ہمیشہ اللہ اور رسولوں کی ہوتی ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (اللہ نے یہ لکھ رکھا ہے کہ غلبہ اسے اور اس کے رسولوں ہی کو ہو گا)

سطور بالا سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ سیدنا حذیفہؓ کی بیان کردہ حدیث کا جو مطلب اس کے راوی نے لیا تھا وہ کس درجہ بے اصل تھا اور منشاء نبوت کے کتنے خلاف۔

حدیث سفینہ : صحیح مسلم[1] کی ایک حدیث ہے جسے ایک منکرِ حدیث مؤرخ نے بطور حجت پیش کر کے "تاریخ الامت" میں یہ فیصلہ دے دیا کہ خلافت ختم ہو گئی، اور سیدنا معاویہؓ کے عہد سے ملوکیت کا دور شروع ہو گیا۔ جو لوگ حدیث سے استناد کرتے ہیں انہوں نے نقد و جرح

---

[1] یہ حدیث صحیح مسلم میں نہیں بلکہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ (حبیب الرحمان)۔

Marfat.com

کے تمام اصول بالائے طاق رکھ کر اس حدیث کو صحیح سمجھ لیا۔ محض اس لئے کہ اس کی روایت امام مسلمؒ نے کی ہے حالانکہ ہم بیان کر چکے کہ صحیحین کی حیثیت یہ نہیں ہے کہ ان میں وارد شدہ تمام حدیثوں کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا جائے۔ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے امام حدیث کا قول ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں "خلافت تیس برس رہے گی اور پھر ملک ہو جائے گا" اسی حدیث کو لوگوں نے اس موضوع پر حرفِ آخر قرار دے کر تمام نصوص کے مقابلہ میں لا کھڑا کر دیا۔ گویا وہ دین جو قیدِ زمانی و مکانی سے آزاد ہے اس کا نظام صحیح بنیاد پر صرف تیس برس رہا۔ اہل تاریخ جانتے ہیں کہ یہ تیس برس کس طرح پورے ہوئے پھر بھی اس حدیث کو حجت بنایا جاتا ہے۔

اس تحدیدِ زمانی کے معنی یہ ہوئے کہ سیدنا علیؓ اگر شہید نہ ہوتے تو ۴۱ھ سے وہ خلیفہ راشد رہنے کی بجائے بادشاہ بن جاتے، بلکہ کٹکھنے بادشاہ۔ یا اگر سیدنا معاویہؓ کی بجائے اجماعِ امت سیدنا سعد بن ابی وقاص پر ہو جاتا، جو ایک وقت میں خلافتِ راشدہ کے لئے نامزد کئے جا چکے تھے تو انہیں ۴۱ھ تک زندہ رہنے کی یہ سزا دی جاتی کہ ان کی بیعت ہوتے ہی خلافت ختم اور کٹکھنا ملک شروع۔

دراصل یہ حدیث محض اموی خلفاء کی بے حرمتی کے لئے وضع کی گئی ہے۔ اسی لئے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ جیسے خیر سیاسی اور مرنجان و مرنج صحابی کی زبان سے امویوں کو مہذب گالی دلوائی گئی ہے "کنجی آنکھ والی کی اولاد"

دریافت طلب ہے کہ سیدنا سفینہؓ نے امیر المومنین معاویہؓ سے بیعت کی تھی یا نہیں، اگر کی تھی تو اللہ اور رسولؐ کے نام پر جس شخص کی اطاعت کا انہوں نے عہد کیا تھا، اس امام کے متعلق یہ ناشائستہ الفاظ کس حد تک درست ہیں؟ صحابہ کرام جس طرح بیعت کیا کرتے تھے اس کے الفاظ صحاح میں مروی ہیں۔ مثلاً سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین عبد الملکؒ سے ان الفاظ کے ساتھ بیعت کی تھی (بخاری: صحیح کتاب الاحکام، باب کیف یبایع الامام الناس ج ۴، ص ۲۴۵، طبع مصر)

الی عبد اللہ عبد الملک امیر المومنین
انی اقر بالسمع والطاعۃ لعبد اللہ عبد الملک

"اللہ کے بندے امیر المومنین کی جناب میں!
میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے بندے عبد الملک

Marfat.com

امیرالمومنین علی سنۃ اللہ و سنۃ رسولہ فیما استطعت وانّ بنیّ قد اقرّوا علی ذلک۔

المومنین کا حکم میں سنوں گا اور اطاعت کروں گا (میرا یہ اقرار) اللہ کی سنت اور اس کے رسولؐ کی سنت کی پیروی میں ہے، جس حد تک بھی میرا مقدور ہوگا (میں تاہی نہ کروں گا) یہی اقرار میرے بیٹوں نے بھی کیا ہے۔"

اب سوچنا چاہیئے کہ ان الفاظ کے ساتھ جس شخص سے بیعت کی جائے گی وہ کٹھنا بادشاہ "شر الملوک (بدترین بادشاہ) ہوگا یا خلیفۂ رسول اللہ اور امام المسلمین؟ امیر المومنین عبدالملکؒ بہت بعد میں آتے ہیں اور تابعی ہیں، سیدنا ابن عمرؓ نے اسی قسم کے الفاظ کے ساتھ ان سے پہلے خلفاء سے بیعت کی تھی۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔ ظاہر ہے کہ سیدنا سفینہؓ نے بھی اسی طریقہ پر بیعت کی ہوگی تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ان کی زبانِ مبارک سے وہ الفاظ نکلے ہوں جو اس حدیث کے مختلف طرق میں مذکور ہیں، مثلاً مصنفؒ ابن ابی شیبہ میں۔

امام ابوبکر ابن العربیؒ نے (العواصم من القواصم: ص ۲۰۱ میں) مسلم شریف کی اس حدیث کو غیر صحیح بتایا ہے۔ ویسے بھی اس کی سند میں کوئی صاحب ایسے نہیں جن کا معتبر ہونا معرضِ بحث نہ ہو۔ پھر امام ابن العربیؒ نے کیا عمدہ بات فرمائی ہے کہ "اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تب بھی قابلِ قبول نہیں کیونکہ نصوصِ صریحہ کے خلاف ہے۔" دیکھا جائے تو محض دوسری احادیث صحیحہ ہی کے نہیں جن میں سے بعض اوپر مذکور ہوئیں بلکہ کتاب اللہ سنتِ رسول اللہؐ، اجماعِ صحابہ اور قیاس سب کے خلاف ہے۔

علاوہ ازیں سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کو اگر واقعی خلافت جیسے اہم ترین اجتماعی مسئلہ کی بابت جمہور صحابہ سے ہٹ کر کوئی مخصوص علم دیا گیا تھا کہ خلافت تیس برس رہے گی، اور پھر ملک ہو جائے گا تو انہوں نے جمعیت صحابہ کو کیوں متنبہ نہیں کیا کہ سیدنا علیؓ کی خلافت تیس برس کے اندر قائم ہوئی ہے، اس لئے ان سے اختلاف کی گنجائش نہیں، اور جو ان کے خلاف کھڑا ہوگا وہ خلیفۂ راشد کے خلاف کھڑا ہونے کی بناء پر مثل مرتد کے ہو جائے گا اور جو ان کی بیعت نہیں کرے گا وہ بھی حلال الدم ہوگا۔

پھر سیدنا معاویہؓ کو پسِ پشت برا کہنے سے تو بہتر یہ تھا کہ خود انہی سے صاف کہہ دیتے کہ تم خلیفہ

Marfat.com

نہیں ہو، اس لئے تمہیں اللہ و رسول کی بیعت لینے کا حق نہیں۔ ہم تمہارے ملک میں رہتے ہیں تمہارے قوانین کی پابندی کریں گے، مگر یہ نہیں ہے کہ تم سے اختلاف کو عصیان سمجھیں، اور تمہاری اطاعت کو موجب رضاالٰہی جانیں، کیونکہ تم محض بادشاہ ہو۔

کیسی عجیب بات ہے کہ بیعت تو کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی سنت پر اور اس کی پیروی میں بات سننے اور اطاعت کرنے کی، لیکن سمجھتے ہیں بادشاہ، جو خود قانون ساز ہوتا ہے، قانون سے بالا ہوتا ہے اور الٰہی قانون کا لازماً پابند نہیں ہوتا۔

عقلاً و نقلاً ہم یہ کبھی باور نہیں کر سکتے کہ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی ہوگی جو تمام نصوص صریحہ صحیحہ اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔

الرّاشدون ؛

سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

علیکم بسنّتی و سنّۃ الخلفاء الراشدین المہدیین من بعدی تمسّکوا بہا و عضّوا علیہا بالنواجذ

اپنے اوپر میری سنت اور میرے بعد میرے ان خلفاء کی سنت کی پابندی لازم سمجھو جو ہدایت یافتہ اور ہدایت بخش ہوں گے۔ اسی سے وابستہ رہنا اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑنا۔

معلوم نہیں عربی زبان کے کن قواعد کے تحت اور دین کے کس اصول کے مطابق اس حدیث سے چار کی تخصیص کر دی گئی۔ حالانکہ الفاظ اور جملوں کی ترکیب میں ادنیٰ ترین اشارہ بھی اس کا نہیں کہ پانچواں خلیفہ راشد نہیں ہوگا یا کہ راشد صرف چار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو اور پھر ان کا اتباع کرنے والے تمام امتیوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا

لیکن اللہ نے تو تمہارے نزدیک ایمان کو محبوب کیا ہے اور اسی سے تمہارے قلوب کو آراستہ فرمایا اور تمہارے دلوں میں کفر سے بے راہ روی اور نافرمانی سے نفرت ڈالدی۔ یہی لوگ ہیں راشد

Marfat.com

نَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

(ہدایت یافتہ) یہ اللہ کا فضل و نعمت ہے اور راشد ہی ہے تمام باتوں کا جاننے والا۔ اور حکمت کے ساتھ برتے کار لانے والا۔"

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی اس توصیف میں ان کا راشدون ہونا اور ان کے احوالِ قلبیہ کا مزکّٰی و مطہر آدنا بطور امر واقعہ بیان کیا ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ مذہب ہے کہ صحابہ سب کے سب عدول ہیں اور بعد کے اصحابِ رجال کی جرح و تعدیل سے بالا۔ یعنی ایک حدیث کی روایت میں سند کے ہر شخص کو پرکھا جائیگا، لیکن جب صحابی تک سند بطریق صحیح پہنچ جائے تو اس صحابی کی عدالت میں شک نہیں کیا جائے گا اگرچہ ان کے اجتہاد سے اختلاف ہو۔

انفرادی طور پر ہر صحابی کا فتویٰ یا مذہب قابلِ استدلال ہے اور مجموعی طور پر جب وہ کسی امر میں متفق ہو جائیں یعنی بھاری اکثریت سے، تو ان کا موقف ایسا ہی حجت ہے جیسے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت صحابۂ کرام کے اجماع کا منکر نفس دین کا منکر ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے اس انکار کے ذریعہ اس گروہ کی حجیت ختم کر دے جن سے ہمیں دین ملا ہے، جنہوں نے دین قائم کیا ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا گواہ بنایا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی اور مجتہد ہونا مسلم ہے۔ اب بڑی دلچسپ بات ہو گی کہ آپ جو کچھ صحابی اور مجتہد ہونے کی حیثیت سے حکم دیں وہ قابلِ پذیرائی ہو۔ لیکن امت کے حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے جو فرمائیں اور حکم نافذ کریں اس کی تعمیل واجب نہ ہے، اور موجب رضائے الٰہی نہ ہو، کیونکہ وہ حکم ہو گا ایک غیر راشد بلکہ کٹھنے بادشاہ کا۔ ایسا حکم سنت بھی نہیں کہلائے گا، کیونکہ یہ ۴۱ھ کے بعد کا ہو گا اور اس وقت خلافتِ راشدہ کا دور ختم ہو چکا ہو گا۔

مؤطا شریف، بخاری شریف اور صحاح کی دوسری کتابوں میں امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ کے جو فتاویٰ مذکور ہیں اور آپ کے فقہی اجتہادات بیان ہوئے ہیں وہ اب فقہا کے لیے نظیر نہیں رہیں گے اور کسی اسلامی حکومت کی دفعات میں انہیں بار نہیں ملے گا۔ کیا کبھی تیرہ سو برس کی

Marfat.com
Marfat.com

اس مدت میں کسی صاحب ایمان نے ایسی بات کہی ہے یا کہہ سکتا ہے ؟

امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو حیثیتِ امامت تھی وہ صحابۂ کرام اور اموی دور میں تو تھی ہی لیکن بعد میں بھی یعنی خلافتِ عباسیہ میں بدستور قائم رہی۔ مؤطا کی تدوین امیر المومنین عبداللہ المنصورؒ کے فرمان کے مطابق کی گئی تھی۔ امیر المومنین محمد المہدی، امیر المومنین ہارون الرشید، امیر المومنین محمد الامین اور امیر المومنین عبداللہ المامون کو خود حضرت امام مالکؒ سے اس کی سماعت کا شرف حاصل ہے۔ یہ سب آئمہ دین اس مبارک اور عظیم ترین کتاب الآثار میں امیر المومنین سیدنا مروان اور امیر المومنین سیدنا عبدالملک کے فتاویٰ فیصلے اور مرویات پڑھتے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آدھی دوزخ تیری ہے اور آدھی میری

حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں دوزخ تقسیم کروں گا۔ اس میں آدھا حصہ میرا ہوگا اور آدھا تیرا ہوگا۔ (یعنی رافضیوں کا) میزان۔ ج ۲/ ۲۶

عبایۃ۔ اس روایت کا ناقل عبایہ بن ربعی ہے جو حضرت علیؓ کا ایک شاگرد ہے۔ اور یہ عبایہ غالی شیعہ ہے۔ میزان، ج ۲/ ۳۸۷

موسیٰ بن طریف۔ عبایہ سے یہ داستان نقل کرنے والا موسیٰ بن طریف الاسدی الکوفی ہے۔ ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ یہ کذاب ہے۔ یحییٰ بن معین اور دارقطنی کہتے ہیں ضعیف ہے جوزجانی کا بیان ہے کہ یہ گمراہ ہے۔

سلام الخیاط کا قول ہے کہ وہ اہل شام کا حامی تھا۔ اور حضرت علیؓ کا مخالف تھا۔ اس نے عبایہ بن ربعی کا یہ قول بطور مذاق نقل کیا۔ جو حقیقت بن گیا۔ میزان، ج ۲/ ۲۰۸۔ دارقطنی کا بیان ہے یہ متروک ہے۔ کتاب الضعفاء والمتروکین للدارقطنی ص ۱۶۲

بعد کے اہل تشیع نے اس روایت کو اپنایا۔ ہاں صرف یہ کام ضرور کیا کہ اس روایت کا ابتدائی حصہ برقرار رکھا اور آخری حصہ حذف کر دیا۔ حتیٰ کہ شیعوں کی مشہور کتاب کوکب دری میں اسی کا ابتدائی حصہ نقل کیا گیا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

الراشدون

قرآن وسنت اور مقام صحابہ کی عظمت سے بے خبر لوگوں کو مسلسل پروپیگنڈے کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ خلفائے راشدین صرف چار ہیں یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت عثمان اور حضرت علیؓ۔ چنانچہ ان حضرات کی دورِ حکمرانی کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام صحابہ کرام کو اَلرَّاشِدُوْنَ کے خطاب سے نوازا ہے۔ ارشاد ہے۔

اُولٰئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً — یہ صحابہ کرام اللہ کے فضل و نعمت سے راشد ہیں یعنی ہدایت یافتہ

سیدنا معاویہؓ بھی جماعت صحابہ ہی کے ایک ممتاز فرد ہیں اس لیے لامحالہ ارشاد ربانی کے مطابق وہ "راشد" ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپؓ کے ذریعہ قائم شدہ نظامِ حکومت کو خلافت راشدہ کے علاوہ کسی دوسرے نام سے موسوم کیا جائے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ آفات و فتن اور دہندو کار سے بھرا ہوا "علوی دور" تو خلافت راشدہ ہو اور امن و عافیت، سلامتی و اتحاد سے بھرپور حضرت معاویہؓ کے اس عہد مبارک کو ملوکیت اور کٹکھنی بادشاہت کا نام دے کر کیڑے نکالے جائیں، جس کے آغاز کو نہ صرف ہمعصر امت نے "عام الجماعت" کے عنوان سے تعبیر کیا۔ بلکہ تاریخ اسلام اسے اسی ایمان افروز نام سے آج تک اپنے اوراق میں محفوظ کیے ہوئے ہے۔

لَارَیْبَ قرآن مجید کی مقدس ہدایات پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص بھی کسی ایسی حکومت کو برے معنیٰ میں بادشاہت یا ملوکیت کہنے کی جراءت و جسارت نہیں کر سکتا، جس کے قیام و سربراہی کے فرائض اللہ کے ارشاد فرمودہ اوصاف کے مطابق، صحابیٔ رسولؐ انجام دے رہے ہوں یا جس میں انتظامی و اصلاحی معاملات اصحاب رسول صلوات اللہ علیہم کی نگرانی میں طے پاتے ہوں۔

فرقِ مراتب: یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ قرآن و سنت کی رُو سے اسلامی خلافت اشخاص و اوقات میں محدود نہیں "الراشدون" کا ربانی لقب پانے والے

Marfat.com

صحابۂ کرام اور ان کے بعد دیگر باصلاحیت وخوش قسمت افراد جنہیں آیات استخلاف وتمکین میں بیان کیے گئے اوصاف وخصائص کی حامل حکمرانی کا موقعہ ملا، بلاشبہ وہ سب ہی بشارت نبویؐ کے مصداق خلفائے اسلام تھے اور ان کا قائم کردہ اجتماعی نظام ہی درحقیقت وہ اسلامی خلافت تھی جس میں نبی صادق صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے ارشاد کے مطابق دین اسلام کو عظمت وشوکت اور سربلندی وسرفرازی حاصل رہی۔

لیکن اس سے یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہونے والے تمام خلفاء اور ان کی خلافتیں مساویانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ حاشا وکلا۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں۔ بلکہ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ جس طرح تمام جماعتِ صحابہ میں منفرد اور سب سے بلند مقام رکھتے ہیں، اسی طرح ان کی خلافت راشدہ کو بھی بعد کی تمام خلافتوں سے اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے۔

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ سیدنا معاویہؓ بھی خلیفہ راشد ہیں اور آپ نے اپنی خلافت راشدہ کے زمانے میں اسلام اور انسانیت کی بیش از بیش خدمات انجام دیں۔ نیز یہ بھی ایک ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آپ کے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ صحابی نہیں ایک جلیل القدر تابعی تھے جن کے عہدِ خلافت میں کاروبارِ خلافت عملاً صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں میں تھا۔ بایں ہمہ ان ہر دو "سیدین" "کریمین" کی خلافت کو خلفائے راشدین ثلاثہ کے برابر اور ہم پلہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین علیہم السلام کو فضیلت و خلافت ہر دو اوصاف میں وہ بلند وممتاز درجہ حاصل ہے جہاں امت کا بڑے سے بڑا شخص بھی رسائی نہیں پاسکتا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔

کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکرٍ احدًا ثم عمر ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم لا نفاضل بینھم

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۲، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۳۶، مشکوٰۃ ص ۵۵۵)

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابو بکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے ان کے بعد حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کو، پھر ہم صحابہ کرام میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے۔"

سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۶۳۶ کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم کی زندگی اور موجودگی میں یہ بات کہا کرتے تھے۔ نیز طبرانی بحوالہ فتح الباری کی روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے:۔

فیسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ینکر

(حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۵۲۳)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری یہ بات سن کر، انکار نہ فرماتے تھے۔")

سیدنا علیؓ کے صاحبزادے سیدنا محمدؒ بن علیؓ۔ جنہیں عموماً "ابن حنفیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

قلت لابی ای الناس خیرٌ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر فقال قلت ثم من قال عمر وخشیتُ ان یقول عثمان قلتُ ثم انت قال ما انا الا رجلٌ من المسلمین

(بخاری ج ۱ ص ۵۱۸، ابو داؤد ج ۲ ص ۶۳۶)

"میں نے اپنے والد (حضرت علیؓ) سے معلوم کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل کون ہے تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت ابو بکرؓ۔ میں نے پھر دریافت کیا کہ ان کے بعد کون؟ تو آپ نے فرمایا کہ عمرؓ مجھے خوف ہوا کہ اب کی مرتبہ آپ حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے، اس لیے میں نے عرض کیا کہ پھر (حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے بعد) آپ کا مرتبہ

Marfat.com

ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو عام مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔

سیدنا ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے ؟

اس پر ایک شخص نے کہا۔

رایت کانّ میزاناً نزل من السماء فوزنت وانت وابوبکر فرجحت انت، ووزن ابوبکر وعمر فرجح ابوبکر، ووزن عمر وعثمان فرجح عمر ثم رفع المیزان فاستائہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی فساءہ ذلک فقال خلافۃ نبوۃ ثم یوتی اللہ الملک من یشاء

(مشکوٰۃ ص ۵۶۰، ابوداؤد ج ۲ ص ۶۲۷، ترمذی ج ۲ ص ۵۲)

"میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اتری ہے آپ اور ابوبکرؓ تولے گئے تو آپ کا وزن زیادہ رہا پھر ابوبکرؓ و عمرؓ تولے گئے تو ابوبکرؓ کا وزن زیادہ رہا اور پھر عمر و عثمانؓ تولے گئے تو عمر کا وزن زیادہ رہا۔ پھر ترازو اٹھالی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر گرانی ہوئی۔ اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ "خلافت نبوت" ہے اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا حکومت دے گا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں :۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اُری اللیلۃ رجلٌ صالحٌ ان ابابکر نیط برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونیط عمر بابی بکر ونیط عثمان بعمر قال جابر فلمّا قمنا من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا اما الرجل الصالح فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات ایک نیک شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹکائے گئے۔ عمرؓ ابوبکرؓ کے دامن سے اور عثمان عمرؓ کے دامن سے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم کے پاس سے اٹھے تو ہم نے آپس میں کہا کہ وہ نیک شخص جسے یہ خواب دکھایا گیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ

Marfat.com

امانتوط بعضهم ببعض فهم ولاة هذا الامر الذی بعث الله به نبیه صلی الله علیه وسلم

(ابو داؤد ج ۲ ص ۶۳۷ مشکوٰۃ ص ۵۶۲)

وسلم ہیں اور رہا حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے کے دامن سے لٹکنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس دین کے حاکم و خلفاء ہوں گے جو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا ہے۔"

حضرت سمرۃ بن جندبؓ فرماتے ہیں:۔

ان رجلاً قال یارسول الله رایت کأنّ دلواً دلّی من السماء فجاء ابوبکر فاخذ بعراقیها فشرب شربًا ضعیفاً ثم جاء عمر فاخذ بعراقیها فشرب حتی تضلع ثم جاء عثمان فاخذ بعراقیها فشرب حتی تضلع ثم جاء علیؓ فاخذ بعراقیها فانتشطت وانتضح علیه منها شیءٌ

(ابو داؤد ج ۲ ص ۶۳۷)

ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ڈول آسمان سے لٹکایا گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے اس کا حلقہ پکڑ کر ضعف و نرمی سے پانی پیا، پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے سیر ہو کر پیا۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ آئے انہوں نے بھی سیر ہو کر پیا، پھر حضرت علیؓ آئے اور انہوں نے اس کا حلقہ پکڑا تو وہ ڈول پھٹ گیا اور اس میں سے کچھ چھینٹیں ان پر پڑیں۔"

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ:۔

"ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ میں پہنچا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ آئے اور وہ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمرؓ آئے پھر حضرت عثمانؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں پڑی ہوئی تھیں آپ نے ان کو اپنی ہتھیلی میں رکھا تو وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی تسبیح کی گنگناہٹ سنی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہو پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر آپ نے ان کو اٹھا کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں رکھا تو وہ پھر تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز سنی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہو

Marfat.com

پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ پھر خاموش ہو گئیں۔ پھر آپ نے ان کو لے کر حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رکھا پھر وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز سنی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہو پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ نے ان کو لے کر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو پھر وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ "خلافت نبوت" ہے۔"

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحبؒ لکھنوی مندرجہ بالا روایت بحوالہ بزار، طبرانی فی الاوسط اور سنن بیہقی نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"یہ روایت ابن عساکر نے حضرت انسؓ سے نقل کی ہے اور اس میں اتنا مضمون زیادہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد پھر اور جس قدر صحابی بیٹھے تھے سب کے ہاتھ میں یکے بعد دیگرے وہ کنکریاں آپ نے رکھیں مگر کسی کے ہاتھ میں انہوں نے تسبیح نہ پڑھی۔"

(سیرت خلفائے راشدین ص ۲۱۴)

مندرجہ بالا احادیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرات خلفائے راشدین ثلاثہؓ کو پوری جماعت صحابہ میں افضلیت حاصل ہے۔ ہمعصر صحابہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی موجودگی میں بھی کسی بھی دوسرے شخص کو ان کا ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمعصر صحابہؓ کے اس فیصلے سے آگاہ ہو کر نکیر نہ فرماتے ہوئے مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ دوسری بات ان روایات سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت "خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوت" تھی، جسے امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "خلافت خاصہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی وہ تینوں خلافتیں ہیں جن میں تمکین فی الارض۔ امن وسلامتی اور دینی سربلندی واستحکام کی وہ تمام خصوصیات کامل طور پر پائی جاتی تھیں، جنہیں از روئے آیات واحادیث خلافت راشدہ کے لازمی شرائط کا درجہ حاصل ہے۔ نیز ان ارشادات نبویہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی یہ خلافت "راشدہ علیٰ منہاج النبوت" سیدنا

Marfat.com

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت پر اختتام کو پہنچی۔ چنانچہ صحابی رسول حضرت ثمامہ بن عدیؓ کو جو عہد عثمانی میں یمن کے عامل و گورنر تھے، جب حضرت عثمانؓ کی کربناک شہادت کی خبر ہوئی تو مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے شدتِ غم سے رو پڑے اور دیر تک روتے رہے، پھر کہا کہ :-

"آج امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافتِ نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔"

(الاستیعاب ج ۱ ص ۹، وطبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۰۰)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث بسیار تصریح و تلویح فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منتظم نہ خواہد شد (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۹)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں صراحت و وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد "خلافتِ خاصہ" منتظم نہ ہو سکے گی۔"

خلافت راشدہ کی اس اعلیٰ قسم یعنی "خلافت خاصہ" کے بعد شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اصطلاح کے مطابق "خلافت عامہ" کا دور شروع ہوا۔ جس میں عہد علوی کی پُرفتن حکمرانی سے لے کر سیدنا معاویہؓ و سیدنا یزیدؒ کی پُرسکون خلافت کے بعد بہت سے خلفاء ہوئے۔ خلافتِ خاصہ کے اختتام پر قائم ہونے والی خلافتوں میں سیدنا معاویہؓ و سیدنا یزیدؒ کی دو خلافتیں ایسی ہیں جنہیں مسلمان قوم کی متفقہ تائید و حمایت حاصل رہی ہے۔ اسی لیے ان کے دوران امن و عافیت۔ انسانی ہمدردی و محبت، اسلامی خدمات اور تسخیر و فتوحات جیسی تمام صفات پوری طرح موجود رہیں۔ پھر ان باتوں میں بتدریج کمی آتی چلی گئی۔ تا آنکہ بنو عباس نے عجمیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور ساز باز کر کے بنو امیہ کا تختہ الٹ دیا۔

عہد مرتضوی

چند صفحات پہلے قرآن مجید کی واضح ہدایات کی روشنی میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام راشد ہیں۔ چونکہ حضرت علیؓ کا صحابی ہونا محتاج تعارف نہیں۔ اس لیے لازماً یہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ بلا شبہ آپ امام ابوبکرؓ، امام عمرؓ، امام عثمانؓ اور امام معاویہ علیہم السلام کی طرح اولئک ہم الراشدون میں داخل ہیں۔ اس لیے اگر آپ کو حسبِ سابق پرامن

Marfat.com

حالات میں ہمعصر امت کی حمایت سے خلافت ملتی تو یقیناً آپ بھی صحابی راشد کی طرح اسلامی خلافت کی ذمہ داریوں سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہو سکتے تھے۔ لیکن تاریخ کا المیہ ہے کہ سبائیوں اور عجمی منافقوں نے اوّل تو آپ کی خدمت میں رسائی حاصل کی اور پھر انہوں نے خلیفہ راشد امام عثمانؓ کو شہید کر کے حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق تمام سیاسی اور انتظامی معاملات پر خود مسلط ہو گئے بلکہ حضرت علیؓ کو مدینہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ تاکہ کسی وقت انہیں صحابہ کرام اور اہل مدینہ کی مشاورت حاصل نہ ہو جائے اور ان باغیین کی گرفت کمزور نہ پڑ جائے جس کے نتیجہ میں حالات نے انتشار اور خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی۔

نوٹ: بایں جا رسید کہ آپ کی خلافت آخر دم تک صحابہؓ و تابعین کی نگاہ میں نزاعی مسئلہ بنی رہی۔ اور اسّی نوّے ہزار صحابہ میں سے بقول محمد بن سیرین۔ جمل وصفین اور خوارج کی جنگ میں تیس صحابہ بھی شریک نہ تھے اور صحابہ کی اس بڑی اکثریت نے غیر جانب داری اختیار کی۔ اور ایک لاکھ مسلمانوں کا خون بہنے کے باوجود حضرت علیؓ کی خلافت کو قیام استحکام نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ دائرہ حکومت روز بروز کم ہوتا چلا گیا۔ اس طرح آپ کا آزمائشی دور حضرت سمرہؓ بن جندب کی روایت کے مطابق ان الفاظ کی صحیح تعبیر ثابت ہوا۔

ثم جاء علی فاخذ بعرانیہما فانتشطت وانتفخ علیہ منہا شئ۔

ابو داؤد ج ۲ ص ۶۲۷۔

جب اس ڈول کو حضرت علیؓ نے پکڑا تو وہ پھٹ گیا اور اس میں سے کچھ چھینٹیں ان پر پڑیں۔ لیکن افسوس کہ انہیں خلافت کے ڈول سے پانی پینا نصیب نہیں ہوا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں

حضرت مرتضیٰ باوجود وفور اوصاف خلافت خاصہ در دے تمکن نہ شد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و ہر روز دائرہ سلطنت تنگ تر می شد۔ تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ما حول آں محل حکومت نماند۔ ازالۃ الخفاج ۲ ص ۲۴۹۔

حضرت علیؓ خلافت خاصہ کے بہت سے اوصاف رکھنے کے باوجود خلافت پر متمکن نہ ہو سکے اور

Marfat.com

نہ اسی زمین میں ان کا حکم نافذ ہو سکا ہر روز ان کی حکومت کا دائرہ تنگ تر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آخری دنوں میں ان کی حکومت صرف کوفہ اور اس کے مضافات تک محدود ہو کر رہ گئی۔

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جب ہر دو فریق نے معاملہ مکین پر چھوڑا اور ان ہر دو ججوں نے حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کیا تو جو نام نہاد خلافت بھی تھی وہ بھی کالعدم ہو گئی۔

اور ایک صاحب علم اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ صحابہ کی ایک عظیم اکثریت نے نہ حضرت علیؓ کا ساتھ دیا۔ اور نہ ان کی بیعت کی۔ اور اس کی وجہ یہ قاتلین عثمان یعنی سبائی گروہ تھا اور جب حضرت علیؓ کو کسی نے خلیفہ تسلیم نہیں کیا تو حضرت امیر معاویہؓ کے باغی ہونے کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ باغی گروہ وہ ہے جس نے امیر المومنین حضرت عثمان کو شہید کر کے یہ انتشار پیدا کیا اور جن کی موجودگی کی وجہ سے صحابہ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی اور ان مجرموں نے اپنے عزائم پر پردہ ڈالنے کے لیے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں کو باغی اور مجرم کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ باغی گروہ تو وہ تھا جس نے عثمانؓ کو قتل کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عمارؓ سے فرمایا تھا کہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ اس سے مراد یہ گروہ تھا۔ امیر معاویہ کے ساتھی نہ تھے کیونکہ اگر امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھی حقیقتاً باغی ہوتے تو ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ تمام صحابہ جواب تک خاموش تھے۔ انہیں تو اس واقعہ کے وجود میں آنے کے بعد یہ کرنا چاہیئے تھا کہ سب کے سب مل کر حضرت علیؓ کا ساتھ دیتے اور امیر معاویہؓ کا مقابلہ کرتے۔ کیونکہ حضور کے فرمان کی رو سے جب امیر معاویہؓ کا باغی ہونا ثابت ہو گیا تو ان کے لیے ہرگز بھی یہ ممکن نہ تھا کہ ایسی صورت میں وہ حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دیتے ان کا ساتھ نہ دینا اس امر کا ثبوت ہے کہ صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ امیر المومنین امام معاویہؓ باغی نہ تھے۔ اور اجماع صحابہ حجت شرعیہ ہے۔ اس کا منکر فاسق ہے، اب دو ہی صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں کہ یا تو اجماع صحابہ کا انکار کیا جائے جو عملی طور پر آج کل کا ہر مسلمان کر رہا ہے۔ یا امیر معاویہؓ کے بارے میں یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ باغی نہ تھے۔

جو صورت ہم نے اختیار کر رکھی ہے اس کی رو سے اوّل تو یہ لازم آتا ہے کہ صحابہ کا قول و عمل حجت نہیں اور دوسری جانب صحابہ کا گمراہ ہونا لازم آتا ہے، حتیٰ کہ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کا بھی۔ اس

Marfat.com

لیے کہ انہوں نے کبھی صحابہ سے یہ نہیں کہا کہ شہادت عمارؓ سے یہ بات ظاہر ہو چکی کہ حق میرے ساتھ ہے اب غیر جانبداری کی آخر کیا وجہ ہے ؟ اور پھر حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ نے بھی یہ بات کسی کے سامنے پیش نہیں کی۔

حیرت ہے کہ حضرت علی، حضرت حسنؓ اور صحابہ کرام کو تو یہ دلیل نہ سوجھی لیکن سبائی مورخ طبری اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں کو صدیوں بعد یہ دلیل نظر آگئی اور پھر لعبد کے سنی علماء نے طبری کو محقق گردانتے ہوئے اس پر ایمان لانا ضروری سمجھا۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

نماز دین کا ستون ہے

یہ ایک مشہور عام حدیث ہے جو عوام و خواص کی زبان پر جاری ہے۔ اس کے الفاظ ہیں الصلوۃ عماد الدین۔ نماز دین کا ستون ہے لیکن یہ روایت جتنی مشہور ہے اس سے کہیں زیادہ بے اعتبار ہے ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

حافظ ابن الصلاح نے "مشکل الوسیط" میں تحریر کیا ہے یہ روایت غیر معروف ہے۔ اس کا اتا پتہ کچھ معلوم نہیں۔ امام نووی "تنقیح" میں لکھتے ہیں۔ یہ روایت منکر ہے، باطل ہے۔ لیکن دیلمی نے اسے حضرت علی کی جانب منسوب کیا ہے۔ جیسا کہ سیوطی نے ذکر کیا ہے اور بیہقی نے "شعب الایمان" میں اسے حضرت عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ موضوعات کبیر ص۹۔

علامہ محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں۔ مختصر میں ہے کہ یہ روایت "نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے نماز چھوڑ دی اس نے دین کے ستون کو گرا دیا" اسے بیہقی نے روایت کیا ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔ تذکرہ الموضوعات ص۳۸۔

Marfat.com
Marfat.com

لولاك لما خلقت الافلاك

یہ ایک ایسی مشہور عام روایت ہے کہ شاید ہی برصغیر کا کوئی مسلمان ایسا ہو جو اس کا ذکر خیر نہ کرتا ہو اور شاید ہی ایسا کوئی منبر ہو جس کی رونق اس روایت کے بغیر قائم ہو اور علی الخصوص ایک طبقہ کی تو دکانداری اسی کے بل بوتے پر قائم ہے۔ بلکہ اس گروہ کا یہ ٹریڈ مارک ہے کہ اس گروہ کے کسی فرد کی کوئی تقریر اس ٹریڈ مارک کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

علامہ نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی المعروف بملا علی القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اپنی کتاب "الموضوعات الکبیر" میں فرماتے ہیں۔

یہ روایت لولاک لما خلقت الافلاک (اے نبی اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا نہ کرتا) صغانی کہتے ہیں یہ روایت موضوع ہے۔ جیسا کہ "خلاصہ" میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک اس کے معنی کا تعلق ہے تو معنی صحیح ہیں اس لیے کہ دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے محمد اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت پیدا نہ کرتا اور اے محمد اگر آپ نہ ہوتے تو میں آگ پیدا نہ کرتا اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اگر اے نبی آپ نہ ہوتے تو میں دنیا پیدا نہ کرتا۔
موضوعات کبیر ص ۱۰۱۔

علامہ ناصرالدین البانی رقم طراز ہیں۔

یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ صغانی نے اپنی "الاحادیث الموضوعہ" میں صفحہ ۷ پر تحریر کیا ہے اور رہا ملا علی قاری کا یہ دعویٰ کہ اس روایت کے معنی صحیح ہیں اور پھر اس سلسلہ میں انہوں نے دیلمی کی ایک روایت پیش کی اور اس کے بعد ابن عساکر کی روایت بیان کی۔

لیکن میرے نزدیک اس کے معنی کی حجت کا دعویٰ تو اسی وقت کیا جا سکتا ہے کہ جب دیلمی کی روایت

Marfat.com
Marfat.com

کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے کیونکہ اور مصنف نے اسے روایت کو بیان نہیں کیا اور دیلمی کی سند سے میں واقف نہیں۔ لیکن مجھے اس روایت کے ضعیف ہونے میں کوئی تردد نہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے ضعف کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ اسے دیلمی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور ابن عساکر نے ایک طویل روایت حضرت سلمان سے مرفوعاً نقل کی ہے لیکن ابن جوزی کہتے ہیں یہ موضوع ہے اور سیوطی نے بھی اللآلی ج ۱ ص ۲۷۲ پر اسے موضوع قرار دیا ہے۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ص ۲۹۹ ۔

ہمارے نزدیک ان روایات میں دو ایسے عیوب پائے جاتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں یہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ تو کیا ہوتے۔ یہ الفاظ تو ایک جاہل عرب بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ جس کی دو وجوہات ہیں ۔

۱۔ آپ یا تو کے معنی کے لئے یعنی واحد حاضر کے لیے عربی میں انت کی ضمیر آتی ہے۔ جیسے اللھم انت ربی (اے اللہ آپ میرے رب ہیں اور جیسے انت ارحم الراحمین (آپ سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں) اور کاف زیر والا ضمیر مفعول کے لئے آتا ہے جو تجھ کے معنی دیتا ہے جیسے اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونؤمن بک ونتوکل علیک (اے اللہ ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں) اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کی عربی تک غلط ہے۔ اس روایت کی اللہ تعالیٰ کی جانب نسبت اس کی ذات پر ایک بہت بڑا افترا ہے۔ یہ قول کسی عرب جاہل کی جانب بھی منسوب کیا جاتا تو ہم اسے جھوٹا تصور کرتے۔ کجا کہ اللہ تعالیٰ کو عربی سے ناواقف تسلیم کیا جائے۔

۲۔ ماخلقت ماضی کا صیغہ ہے اور ماضی پر لام تاکیدی پوری عربی زبان میں نہیں آتا یہ روایت ایران کے خدائے اہرمن نے وضع کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس جہالت سے پاک ہے اس کی صفت تو یہ ہے کہ وھو بکل شئی علیم کہ وہ ہر شے کو جانتا ہے اور بلحاظ عربیت اس مقام پر ماضی کے بجائے مضارع کا صیغہ آنا چاہیئے تھا۔

نیز افلاک آسمانوں کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ افلاک سے مراد وہ موہوم دائرے ہوتے ہیں جن کے گرد سیارے چکر کاٹتے ہیں ۔

حاصل کلام یہ کہ اس روایت کا تو آگا پیچھا بھی درست نہیں۔ اسے حدیث کہنا بھی گناہِ عظیم ہے۔ بلکہ ان باتوں کے جاننے کے بعد اگر کوئی اسے حدیث کہے تو مجھے تو اس کے کفر تک کا خطرہ ہے۔ واللہ اعلم ۔

Marfat.com

کیا حضرت عمرؓ بھی شراب پیتے تھے ؟

سعید بن ذی لعوہ کا بیان ہے کہ ایک اعرابی نے حضرت عمرؓ کے برتن سے نبیذ پی' اسے نشہ ہوگیا حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کے کوڑے لگائے جائیں۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے آپ کے برتن ہی سے نبیذ پی تھی۔ آپ نے جواب دیا میں نبیذ پینے پر کوڑے نہیں لگا رہا ہوں۔ بلکہ نشہ میں مست ہونے پر لگا رہا ہوں۔

ابن جوزی لکھتے ہیں یہ سعید بن ذی لعوہ کا جھوٹ ہے ابو حاتم بن حبان کا بیان ہے کہ یہ دجال ہے اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس نے حضرت عمرؓ کو نشہ کرتے دیکھا ہے۔ العلل المتناہیہ فی احادیث الواہیہ ج ۲ ص ۹۴۳

غالباً اسی لئے شرابیوں اور شاعروں میں مشہور ہے کہ نشہ حرام ہے پینا حرام نہیں۔ حالانکہ بغیر پیئے نشہ ممکن ہی نہیں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں اس سعید کو ابو حاتم' یحییٰ اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس میں جہالت پائی جاتی ہے۔ بخاری کہتے ہیں یہ دوسروں کے مخالف روایات نقل کرتا ہے۔

علی بن المدینی کا بیان ہے کہ مجہول ہے۔

ابوبکر بن عیاش کا قول ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ابوزرعہ کہتے ہیں یہ قوی نہیں۔

عقیلی اور ابن الجارود نے اس کا اپنی کتاب الضعفا میں ذکر کیا ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی مسند حدیث معلوم نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ذی لعوہ کا نام عامر بن مالک ہے۔ لسان المیزان ج ۳ ص ۲۷۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم اور کذباتِ ثلاثہ

از قلم علامہ مودودی صاحب مرحوم

حضرت ابراہیمؑ کے کذباتِ ثلاثہ کے مسئلے پر میں نے دو جگہ بحث کی ہے ایک رسائل و مسائل حصہ دوم صفحہ ۳۵ تا ۳۹۔ دوسرے تفہیم القرآن بسلسلۂ تفسیر سورہ انبیاء حاشیہ نمبر ۶۰۔ ان دونوں مقامات پر میں نے وہ دلائل بھی بیان کر دیئے ہیں جن کی بنا پر میں اس روایت کے مضمون کی صحت تسلیم کرنے میں متامل ہوں۔ اگر میرے ان دلائل کو دیکھ کر آپ کا اطمینان ہو جائے تو اچھا ہے اور نہ ہو تو جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں اسی کو صحیح سمجھتے رہیں۔ اس طرح کے معاملات میں اگر اختلاف رہ جائے تو آخر مضائقہ کیا ہے۔ آپ کے نزدیک حدیث کا مضمون اس لیے قابلِ قبول ہے کہ وہ قابلِ اعتماد سندوں سے نقل ہوئی ہے اور بخاری، مسلم، نسائی اور متعدد دوسرے اکابر محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک وہ اس لیے قابلِ قبول نہیں ہے کہ اس میں ایک نبی کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے، اور یہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے کہ چند راویوں کی روایت پر اسے قبول کر لیا جائے۔ اس معاملہ میں میں اس حد تک نہیں جاتا جہاں تک امام رازی گئے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ "انبیاء کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنے سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ اس روایت کے راویوں کی طرف اسے منسوب کیا جائے"۔ (تفسیر کبیر جلد ۶، ص ۱۱۳) اور یہ کہ "جب نبی اور راوی میں سے کسی ایک کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا پڑ جائے تو ضروری ہے کہ وہ نبی کے بجائے راوی کی طرف منسوب کیا جائے۔" تفسیر کبیر جلد ۷، ص ۱۴۵) مگر میں اس روایت کے ثقہ راویوں میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے جھوٹی روایت نقل کی ہے، بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی نہ کسی مرحلے پر اس کو نقل کرنے میں کسی راوی سے بے احتیاطی ضرور ہوئی ہے۔ اس لیے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ محض سند کے اعتماد پر ایک ایسے مضمون کو آنکھیں بند کر کے ہم کیسے مان لیں جس کی زد انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر پڑتی ہے؟

Marfat.com
Marfat.com

میں اُن دلائل سے بے خبر نہیں ہوں جو اس روایت کی حمایت میں اکابر محدثین نے پیش کیے ہیں، مگر میں نے ان کو تشفی بخش نہیں پایا ہے۔ جہاں تک بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اور اِنِّيْ سَقِيْمٌ کا تعلق ہے، ان دونوں کے متعلق تو تمام مفسرین و محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حقیقۃً جھوٹ کی تعریف میں نہیں آتے۔ آپ تفسیر کی جس کتاب میں چاہیں ان آیات کی تفسیر نکال کر دیکھ لیں۔ اور ابن حجر، عینی، قسطلانی وغیرہ شارحین حدیث کی شرحیں بھی ملاحظہ فرمالیں۔ کسی نے بھی یہ نہیں مانا ہے کہ یہ دونوں قول فی الواقع جھوٹ تھے۔ رہا بیوی کو بہن قرار دینے کا معاملہ تو یہ ایک ایسی بے ڈھب بات ہے کہ اسے بنانے کے لیے محدثین نے جتنی کوششیں بھی کی ہیں وہ ناکام ہوئی ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے اس بحث کو جانے دیجئے کہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت سارہ کی عمر کم از کم ۶۵ سال تھی اور اس عمر کی خاتون پر کوئی شخص بھی فریفتہ نہیں ہو سکتا[1]۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بادشاہ حضرت سارہؓ کو حاصل کرنے کے درپے ہوا تو حضرت ابراہیمؑ نے آخر کس مصلحت سے کہا کہ یہ میری بہن ہیں؟ اس صورتِ حال میں بیوی کو بہن کہہ کر آخر کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا؟ شارحین حدیث نے اس سوال کے جو جوابات دیے ہیں وہ ذرا ملاحظہ ہوں:

---

[1] اگرچہ یہ بائیبل کی کتاب پیدائش کا بیان ہے کہ مصر کے سفر کے وقت حضرت سارہ کی یہ عمر تھی۔ لیکن قرآن و حدیث سے بھی اسی کی تائید نکلتی ہے۔ ایک طرف حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی سفر کے موقع پر مصر کے بادشاہ نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں نذر کیا اور ان سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ دوسری طرف قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ جب والد ماجد کے ساتھ دوڑنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو قربانی کا یادگار واقعہ پیش آیا اور اس سے متصل زمانے ہی میں حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت دی گئی اور اس بشارت پر حضرت سارہ کو سخت اچنبھا ہوا کیونکہ وہ بہت بوڑھی (عجوزہ) تھیں۔ ان دونوں واقعات کے درمیان زیادہ سے زیادہ بارہ تیرہ سال کا فصل ہو سکتا ہے۔ اب کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک عجوزہ خاتون صرف دس بارہ سال پہلے ایسی حسین نوجوان تھیں کہ مصر کا بادشاہ انہیں چھیننے کے لیے بے چین ہو گیا؟

Marfat.com

۱۔ اس بادشاہ کے دین میں یہ بات تھی کہ صرف شوہر والی عورتوں ہی سے تعرض کیا جائے اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے بیوی کو بہن اس امید پر کہا کہ وہ حضرت سارہ کو بے شوہر عورت سمجھ کر چھوڑ دے گا۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے بیوی کو بہن اس لیے کہا کہ بادشاہ عورت کو چھوڑنے والا تو ہے نہیں، اب اگر میں یہ کہوں کہ میں اس کا شوہر ہوں تو جان بھی جائے گی اور بیوی بھی اور اگر بہن کہوں تو صرف بیوی ہی جائے گی، جان بچ رہے گی۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ سارہ کو بیوی بتاؤں گا تو یہ بادشاہ مجھ سے زبردستی طلاق دلوائے گا، اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ میری بہن ہے۔

۴۔ اس بادشاہ کے دین میں یہ بات تھی کہ بھائی اپنی بہن کا شوہر ہونے کے لیے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے، اس لیے انہوں کو بیوی کو بہن اس امید پر بتایا کہ یہ سارہ کو میرے ہی لیے چھوڑ دے گا (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۰۔ عینی ج ۱۵ ص ۲۴۹۔ قسطلانی ج ۵، ص ۲۸۰)

خدارا غور کیجیے کن توجیہات نے بات بنائی ہے یا کچھ اور بگاڑ دی ہے؟ آخر کس تاریخ سے یہ نادر معلومات حاصل ہوئی ہیں کہ دنیا میں کوئی دین ایسا بھی گزرا ہے جس میں بے شوہر عورت کو چھوڑ کر صرف شوہر دار عورت ہی سے تعرض کرنے کا قاعدہ مقرر ہو؟ اور یہ ایک نبی کی سیرت و شخصیت کا کیسا بلند تصور ہے کہ وہ جان بچانے کے لیے بیوی کی عصمت قربان کرنے پر راضی ہو جائے؟ اور یہ کس قدر معقول بات ہے کہ زبردستی طلاق دلوائے جانے کے اندیشے سے بیوی کو بہن کہہ کر دوسرے کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ بے طلاق ہی اس سے استفادہ کرے؟ اور یہ کتنی دل لگتی بات ہے کہ بادشاہ بھائی کو تو بہن کا شوہر ہونے کے لیے زیادہ حقدار مان لے گا مگر خود شوہر کو شوہر ہونے کے لیے حق دار نہ مانے گا؟ اس طرح کی لاطائل سخن سازیوں سے ایک مہمل بات کو ٹھیک بٹھانے کی کوشش کرنے سے کیا یہ مان لینا زیادہ بہتر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ بات نہ فرمائی ہوگی اور کسی غلط فہمی کی بناء پر یہ قصہ غلط طریقے سے نقل ہو گیا ہے۔

بعض حضرات اس موقع پر یہ خدشہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر اس طرح کے دلائل سے محدثین کی چھانی پھٹکی ہوئی ایک صحیح السند روایت کے مضمون کو مشکوک ٹھیرا دیا جائے تو پھر ساری ہی حدیثیں مشکوک قرار پائیں گی۔

Marfat.com

لیکن یہ خدشہ اس لیے بنیاد ہے کہ متن کی صحت میں شک ہر روایت کے معاملے میں نہیں ہو سکتا، بلکہ صرف کسی ایسی روایت ہی میں ہو سکتا ہے جس میں کوئی بہت ہی نامناسب بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوئی ہو اور وہ کسی توجیہ سے بھی ٹھیک نہ بیٹھتی ہو۔ اس طرح کی بعض روایتوں کے متن کو مشکوک ٹھیرانے سے آخر ساری روایتیں کیوں مشکوک ہو جائیں گی؟ پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ جن نامناسب باتوں کی کوئی معقول توجیہ ممکن نہ ہو ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا زیادہ خطرناک ہے، یا یہ مان لینا کہ محدثین کی چھان پھٹک میں بعض کوتاہیاں رہ گئی ہیں، یا یہ کہ بعض ثقہ راویوں سے بھی نقلِ روایات میں کچھ غلطیاں ہو گئی ہیں؟ بتایئے، ایک صاحبِ ایمان آدمی اِن دونوں باتوں میں سے کس بات کو قبول کرنا زیادہ پسند کرے گا۔

علامہ مودودی صاحب مرحوم ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں۔

حضرت ابراہیم نے بت شکنی کے اس فعل کو بڑے بت کی طرف جو منسوب کیا ہے اس سے ان کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنے مخالفین پر حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ وہ لوگ جواب میں خود اقرار کریں کہ ان کے یہ معبود بالکل بے بس ہیں اور ان سے کسی فعل کی توقع تک نہیں کی جا سکتی ایسے موقع پر ایک شخص استدلال کی خاطر جو خلاف واقعہ بات کہتا ہے اس کو جھوٹ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ نہ وہ خود جھوٹ کی نیت سے ایسی بات کہتا ہے اور نہ اس کے مخاطب ہی اسے جھوٹ سمجھتے ہیں، کہنے والا اسے حجت قائم کرنے کے لیے کہتا ہے اور سننے والا بھی اسے اسی معنی میں لیتا ہے۔

بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیم اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں۔ ان میں سے ایک جھوٹ تو یہ ہے (کہ اس بڑے بت نے کیا ہے) اور دوسرا جھوٹ سورۂ صافات میں حضرت ابراہیم کا قول اِنِّیْ سَقِیْمٌ ہے اور تیسرا جھوٹ ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے۔ جس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ بلکہ بائیبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کی چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔ دوسرا گروہ اس ایک روایت کو (یا اسی قسم کی چند دیگر روایات)

Marfat.com
Marfat.com

لے کر پورے ذخیرۂ حدیث پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے ساری حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دو کیونکہ ان میں ایسی ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ ایک یا چند روایات میں کسی خرابی کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ساری روایات ناقابلِ اعتماد ہوں۔ اور نہ فنِ حدیث کے نقطۂ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابلِ اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے صحیح مان لیا جائے۔ سند کے قوی اور قابلِ اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے ایسے اسباب ہو سکتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے سند کے ساتھ ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے اور اگر متن میں کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ مخواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ حدیث جس میں حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ بیان کئے گئے ہیں۔ صرف اسی وجہ سے قابلِ اعتراض نہیں ہے کہ یہ ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے۔ بلکہ اس بناء پر غلط ہے کہ اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محلِ نظر ہیں۔ ان میں سے ایک جھوٹ کا حال ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ کوئی معمولی عقل و خرد کا آدمی بھی اس سیاق و سباق میں حضرت ابراہیمؑ کے اس قول پر لفظ جھوٹ کا اطلاق نہیں کر سکتا۔ کجا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذ اللہ اس سخن ناشناسی کی توقع کریں۔ رہا اِنِّیْ سَقِیْمٌ والا واقعہ تو اس کا جھوٹ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت ابراہیمؑ فی الواقع اس وقت بالکل صحیح و تندرست تھے اور کوئی ادنیٰ سی بھی شکایت ان کو نہ تھی۔ یہ بات نہ قرآن میں کہیں بیان ہوئی ہے اور نہ اس زیرِ بحث روایت کے سوا کسی دوسری معتبر روایت میں اس کا ذکر آیا ہے۔

اب رہ جاتا ہے بیوی کو بہن قرار دینے کا واقعہ تو وہ بجائے خود ایسا مہمل ہے کہ ایک شخص اس کو سنتے ہی یہ کہہ دیگا کہ یہ ہرگز واقعہ نہیں ہو سکتا۔ یہ قصہ اس وقت کا بتایا جاتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی حضرت سارہؓ کے ساتھ مصر گئے ہیں۔ بائبل کی رو سے اُس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۷۵ اور حضرت سارہؓ کی عمر ۶۵ برس سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ اور اس عمر میں حضرت ابراہیمؑ کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ شاہِ مصر اس خوبصورت خاتون کو حاصل کرنے کی خاطر مجھے قتل کر دے گا۔ چنانچہ وہ بیوی سے کہتے ہیں کہ جب مصری تمہیں

Marfat.com
Marfat.com

پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جانے لگیں تو تم بھی مجھے اپنا بھائی بتانا اور میں بھی تمہیں اپنی بہن بتاؤں گا تاکہ میری جان تو بچ جائے (پیدائش باب ۱۲)

حدیث کی زیر بحث روایت میں تیسرے جھوٹ کی بنیاد اسی صریح لغو اور مہمل اسرائیلی روایت پر ہے۔ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو بھی ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لیے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے؟ اسی طرح کی افراط پسندیاں پھر معاملہ کو بگاڑ کر اس تحریف تک نوبت پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کر رہے ہیں۔ تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۶۷

یہ تو علامہ مودودی مرحوم کا بیان تھا لیکن محدثین کے یہاں حدیث کی ایک اصطلاح اور آج ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی صحیح روایت میں راوی کے الفاظ داخل کر دیے جائیں اور اس راوی کے الفاظ کو غلطی سے حدیث سمجھ لیا جائے تو ہو سکتا ہے راوی نے بطور تشریح اسرائیلی روایت بیان کی ہو اور بعد کے راوی نے اسے حدیث رسول سمجھ لیا ہو اور پھر حدیث رسول کہہ کر بیان کر دیا ہو۔ ایسی حدیث کو مدرج کہتے ہیں۔ یہاں مدرج کی تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ ہم اس کی تفصیل پیش کر دیتے۔

علامہ مودودی صاحب مرحوم کی اس تشریح سے ہمیں ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں۔ اور ہم کتاب کے مقدمہ میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ اگر راوی ثقہ ہوں تو روایت بھی صحیح ہو، اور اگر ہم ان راویوں کو ہر صورت میں صادق بھی تسلیم کریں تب بھی بھول اور غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے اور یہ محالات میں سے ہے کہ کوئی انسان بھول اور غلطی سے پاک ہو، حتیٰ کہ بھول سے تو انبیاء بھی پاک نہیں۔ اس طرح ان راویوں کا معصوم ماننا لازم آئے گا جو انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے۔

نیز یہ بھی احتمال ہے کہ راوی سے یہ بات سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو اور اسی لیے امام ابوحنیفہ صحت روایت کے لیے راوی کا فقیہ ہونا شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ اکثر روایات بالمعنی مروی ہوتی ہیں اور معنی کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے فقیہ ہونا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

Marfat.com

کیا خضر زندہ ہیں؟

آج تک کوئی صوفی ایسا نہیں گزرا جو حیات خضر کا قائل نہ رہا ہو اور جس کی جنگلوں اور بیابانوں میں جناب خضر سے ملاقات نہ ہوئی ہو اور علی الخصوص اُس صورت میں جب قریب میں کوئی دیکھنے والا اور تردید کرنے والا موجود نہ ہو۔ خواہ وہ خضر کے روپ میں کوئی شیطان ہی کیوں نہ ہو۔ بہر صورت ہم تو صرف اتنی سی بات جانتے ہیں کہ نہ جناب خضر صاحب کسی عام آدمی کو نظر آتے ہیں اور نہ کسی تعلیم یافتہ کو۔ وہ کسی ایسے صوفی اور پیر صاحب کو نظر آتے ہیں جو دینی اور دنیاوی علوم سے نابلد ہوں۔

آمدم برسرِ مطلب۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ فی الحقیقت جناب خضر نظر بھی آتے ہیں یا نہیں یا ان کے روپ میں کوئی شیطان ہوتا ہے۔ یا تصورِ شیخ کے تحت خیالی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں تو یہ عقل سے پیدل لوگ اسے خضر سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ہم تو صرف سیدھی سادی باتیں جانتے ہیں کہ اوّل تو یہ مسئلہ حل کیا جائے کہ وہ انسان بھی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ انسان ہوتے تو ہر کہ دمہ کو نظر آتے اور ہم جیسے عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارتے، کھاتے پیتے اور موج کرتے اور جب وہ ہر ایک کو نظر نہیں آتے اور انسانوں کی طرح زندگی نہیں گزارتے تو لازماً ان کا تعلق انسانوں سے ہرگز نہیں ہے۔

اگر انہیں کچھ دیر کے لیے فرشتہ تسلیم کر لیا جائے تو اصلی صورت میں فرشتہ کسی کو نظر نہیں آسکتا۔ آئے گا بھی تو انسانی صورت میں آئے گا اور انسانی صورت میں ہونے کے باعث یہ اشتباہ واقع ہو گا کہ وہ واقعتاً فرشتہ بھی ہے یا نہیں۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝

اور اگر ہم فرشتے کو اتارتے تب بھی اسے انسانی شکل ہی میں اتارتے اور اس طرح انہیں شبہ میں مبتلا کر دیتے جس طرح یہ اب مبتلا ہیں۔

تو نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ وہ جب جنگلوں کے باسی فرشتہ بھی نہیں۔ بلکہ اس طویل عمری کے باعث اشتباہ یہ واقع

Marfat.com

ہوتا ہے کہ کہیں یہ وہ حضرت تو نہیں جنہیں دھکے دے کر آسمانوں سے لگا لگا گیا تھا اور جنہیں قیامت تک کی عمر دی گئی تھی۔ ایسی صورت میں جناب ابلیس علیہ اللعنۃ کے تین روپ ہوں گے۔ ایک ابلیس کا روپ ایک جناب خضرؑ کا روپ اور ایک ان حضرت کا روپ جو غائب بھی ہیں لیکن ہر جگہ حاضر بھی ہیں اور اپنے یاروں سے چھپتے پھرتے ہیں اور جن کی تلاش آج تک خاردں گدھوں اور سمندروں میں جاری ہے۔

قارئین کرام آپ حضرات اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں کہ ہم ان حضرت خضرؑ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جن کی ملاقات "مجمع البحرین" میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ وہ تو حضرت موسیٰؑ کے ہم عصر تھے اور لازماً حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں یا اس کے کچھ بعد ان کا انتقال ہو چکا ہو گا۔

لیکن اس تمام کہانی کا اصل سلسلہ وہیں سے چلتا ہے۔ جس کے پس پردہ یہ تخیل کارفرما ہے کہ کچھ پہنچے ہوئے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی شریعت کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں قدرت کی طرف سے کرتے ہیں اور انہیں جناب خضر ہدایات دیتے رہتے ہیں۔ وہ خواہ کتنی بھی شریعت کی خلاف ورزی کریں ان کے لیے سب کچھ معاف ہے .... نہ صرف معاف بلکہ ہر شخص شریعت کو چھوڑ کر ان کا اسی طرح محتاج ہے کہ جس طرح موسیٰؑ دوران سفر نام نہاد خضرؑ کے محتاج ہوئے اور موسیٰؑ سے بھی ان کی ملاقات دوران سفر ہوئی تھی۔ اسی لیے صوفیا کی بھی ان سے ملاقات اس وقت ہوتی ہے جب وہ جنگلوں کی خاک چھانتے اور پتے چباتے پھر رہے ہوں۔ پھر عالم جنوں میں جناب صوفی صاحب جو حکم فرما دیں وہ حکم الٰہی ہے۔ یہی وہ فلسفہ خضرؑ ہے جسے جلال الدین رومی سے لے کر آج تک ہر سر پھرا پیش کرتا رہا ہے اور اس فلسفہ کو پیش کر کے شریعت کو ایک چھلکے کی طرح بے کار قرار دیا جاتا رہا۔ تاکہ صوفی صاحبان اپنی رائے سے جسے چاہیں قتل کر دیں اور ان سے کوئی مواخذہ کرنے والا نہ ہو۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے سے ملاقات کا حکم دیا تھا۔ اور اس ملاقات کے بعد حضرت موسیٰؑ سفر پر گئے۔ اثناء راہ میں اس بندے نے تین ایسے کام کیے کہ جو بظاہر خلاف شریعت تھے اور حضرت موسیٰؑ نے اس پر نکیر فرمائی تھی۔ جس کے جواب میں اس شخص نے یہ کہا تھا کہ یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔

Marfat.com

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ — میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔

یہ تمام واقعہ سورۂ کہف میں پیش کیا گیا ہے۔ سورۂ کہف کی آیات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ اولوالعزم اور جلیل المرتبت رسول تھے اور علوم شرعیہ اور احکام کی تبلیغ ان کا منصب تھا۔ اس لیے وہ ان تکوینی اسرار کے مظاہرے پر صبر نہ کر سکے اور وعدۂ صبر کے باوجود ان امور کو دیکھ کر جو خلاف شرع تھے برداشت نہ کر سکے اور نام نہاد خضر کو ہر بات پر ٹوکتے رہے اور اس طرح نہی عن المنکر کا فریضہ پورا کرتے رہے اور آخر کار جدائی کی نوبت آگئی۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جس میں یہ وقوعہ بیان کیا گیا ہے چند امور زیادہ ہیں جو بطور تمہید ہیں اور اسی حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ اس عبد صالح کو جس سے حضرت موسیٰؑ نے ملاقات کی تھی خضر کہا جاتا ہے۔

اس مقام پر چند امور قابل ذکر ہیں۔

۱۔ خضر نام ہے یا لقب

۲۔ خضر فقط عبد صالح ہیں یا ولی ہیں۔ نبی ہیں یا فرشتہ۔

۳۔ ان کو حیات ابدی حاصل ہے یا وفات پا چکے۔

مفسرین نے ان ہر سہ سوالات کے جواب میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔ چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں بعض حضرات کا قول ہے کہ خضر نام ہے۔ لیکن اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ خضر لقب ہے اور نام و نسب کے معاملہ میں بھی زبردست اختلاف ہے۔

سہیلی لکھتے ہیں کہ ان کے نام و نسب میں زبردست اختلاف ہے۔ وہب بن منبہ کا قول تو یہ ہے کہ ان کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ ایلیا بن ملکان بن فالغ بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح۔

بعض کہتے ہیں بلیا بن عامیل بن سماقحین بن اریا بن ملقا بن عیصو بن اسحاق۔ قرطبی ج ۵ ص ۴۰۸۳۔

پہلے نسب نامہ کی رو سے جناب خضر اور حضرت نوحؑ کے درمیان پانچ پشتیں ہیں۔ گویا کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک وہ کئی صدیوں کا سفر طے کر چکے تھے۔ اور دوسرے نسب نامے کے لحاظ سے یہ حضرت اسحاق کی چھٹی پشت میں تھے۔ یعنی حضرت موسیٰ کے ہمعصر۔ بعض نے ان کا نام خضرون، بعض نے معمر، بعض نے الیاس اور بعض

Marfat.com

نے الیسع کہا ہے۔

مجاہد کا بیان ہے کہ انہیں خضر اس لیے کہا جاتا کہ جہاں یہ نماز پڑھتے وہاں سبزہ اگ آتا اور ترمذی نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انہیں خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ جس صاف زمین پر بھی یہ بیٹھتے وہاں سبزہ اگ آتا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح غریب کہا ہے۔ قرطبی ج ۵ ص ۱۰۵۵ ترمذی ج ۲ ص ۱۶۶۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ روایت کافی مشکوک ہے۔ اس کا ایک راوی عبدالرزاق رافضی ہے اور وہ اسے معمر سے نقل کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ معمر کی روایات میں کافی غلطیاں کرتا ہے اور ابو ہریرہؓ سے اسے نقل کرنے والا ہمام بن منبہ ہیں۔ ہمام نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بذاتِ خود کوئی روایت نقل نہیں کی۔ بلکہ وہ ابو ہریرہؓ کی روایات اس صحیفہ سے نقل کرتے ہیں جو ان کے بھائی وہب نے انہیں لکھ کر بھیجا تھا۔

دوسرے سوال کے جواب میں بعض کا قول ہے کہ وہ صرف عبد صالح تھے یعنی ولی تھے نبی نہ تھے۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ سورۃ کہف کی آیات ان کی نبوت کی شہادت دے رہی ہیں۔ کیونکہ کسی شئے کی اندرونی حقیقت صرف وحی کے ذریعہ معلوم ہو سکتی ہے نیز ہر انسان اسی شخص کی اتباع کرتا اور اس شخص سے تعلیم حاصل کرتا ہے جو اس سے بلند ہو۔ اور یہ ناممکن ہے کہ وہ شخص جو نبی نہ ہو نبی سے بلند ہو اگرچہ ابن عربی جیسے صوفیاء اس کے قائل ہیں کہ جہاں مقام نبوت ختم ہوتا ہے وہاں سے مقام ولایت شروع ہوتا ہے اور اس فلسفہ کے لیے انہوں نے خضر کو اپنا پیشوا مانا ہے اور انہیں ولی قرار دے کر حضرت موسیٰؑ سے افضل تسلیم کیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ فرشتہ تھے۔ جبھی تو یہ تکوینی علوم انجام دے رہے تھے۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ وہ نبی تھے۔

ساتھ ساتھ ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ ہمارے یہاں یہ لفظ خِضر بولا جاتا ہے۔ یعنی خ کو زیر اور ض کو زبر حالانکہ یہ لفظ خَضِر ہے یعنی خ کا زبر اور ض کا زیر اس طرح یہ لفظ عوام و خواص میں غلط استعمال ہوتا ہے۔

اور تیسرے سوال کے جواب میں بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کو حیاتِ ابدی حاصل ہے اور وہ تاحیات زندہ ہیں اور ان کی زندگی کے سلسلہ میں کچھ روایات و حکایات بیان کی جاتی ہیں۔ یہ روایات سب موضوع ہیں۔

Marfat.com

بلکہ یار لوگ یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ ہر سال حج کے زمانہ میں خضر و الیاس ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کا سر مونڈتے اور رخصتی کلمات کہہ کر رخصت ہو جاتے ہیں۔

قرطبی نے سہیل کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جناب خضر کے والد بادشاہ تھے اور ان کی والدہ فارسی تھیں جن کا نام الیٰ تھا۔ جو انہیں غار میں جن کر چلی گئی تھیں (یعنی شہر بانو کی طرح جن کر غائب ہو گئی تھیں) یہ کچھ عرصہ بعد غار میں پڑے ہوئے ملے۔ اس عرصہ میں گاؤں کے ایک شخص کی بکری انہیں آکر دودھ پلا جاتی۔ وہاں سے بکری کے مالک نے انہیں اٹھایا اور ان کی پرورش کی۔ جب یہ جوان ہوئے تو اتفاق سے بادشاہ کو کچھ کاتبوں کی ضرورت پیش آئی۔ یہ وہاں پہنچ گئے بادشاہ انہیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ جب ان کا عمدہ خط دیکھا تو ان پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے انہیں حضرت ابراہیم اور حضرت شیث کے صحیفے لکھنے پر مامور کیا اور ان کے حالات معلوم کرنے شروع کیے جس کے نتیجہ میں یہ عقدہ کھلا کہ یہ تو وہ صاحبزادے صاحب ہیں جن کے نہ باپ کا پتہ تھا نہ ماں کا۔ بادشاہ نے انہیں اپنے سینہ سے لگایا اور تمام امور سلطنت ان کے سپرد کیے لیکن یہ حکومت چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جس کے بہت طویل طویل اسباب ہیں۔ بھاگتے بھاگتے یہ چشمہ آب حیات پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کا پانی پیا اور یہ زندہ رہیں گے حتیٰ کہ دجال ظاہر ہو گا وہ انہیں قتل کرے گا۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ پھر زندہ فرما دے گا۔ قرطبی لکھتے ہیں یہ صحیح نہیں۔ تفسیر قرطبی ج ۵۔ ص ۸۳-۱۴۔

حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ کی جلد ثانی میں خضر کے سلسلہ میں بارہ تیرہ صفحات میں اسی قسم کی کہانیاں پیش کی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک کہانی یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ اس فرعون کے صاحبزادے تھے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے غرق دریا کر دیا اور بعض پچھلے حضرات نے انہیں حضرت آدم کا بیٹا قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ ابن جریر کے حوالہ سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ افریدون کے زمانہ میں پائے جاتے تھے اور ذوالقرنین کے ہراول دستہ کے امیر تھے الغرض یہ ایک کافی طویل داستان ہے جو نہ سمجھنے کی ہے اور نہ سمجھانے کی۔

ہم تو صرف اتنی سی بات سمجھے ہیں کہ ان کی والدہ ایرانی تھیں اور جناب امام غائب کی والدہ بھی ایرانی تھیں لہٰذا ہر دو غائب۔ اس طویل العمری کا اصلی راز تو یہ ہے بلکہ اسی باعث سلمان فارسی کی عمر ساڑھے پانچ سو سال تک پہنچا دی گئی۔ لیکن انہیں غائب نہیں کیا گیا۔ گویا جناب خضر کو غائب کرنے کے سلسلہ میں یہودیت اور ایرانیت دونوں کا نفرا

Marfat.com

ہیں اور جس طرح جناب خضر کی والدہ بچہ جننے کے بعد غائب ہوگئیں۔ اسی طرح شہر بانو بھی علی بن حسین کو جننے کے بعد غائب ہوگئی تھی اور امام غائب کی ایرانی والدہ نے صاحبزادے کو بھی ہمیشہ کے لیے غائب کر دیا۔

آب حیات : اس نام کا کرشمہ آج تک دنیا میں دستیاب نہ ہو سکا۔ ہاں تصوفی داستانوں میں ضرور پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ عربی لفظ ماء الحیوۃ کا فارسی میں ترجمہ ہے اور ماء الحیات جنت و دوزخ کے درمیان ایک چشمہ ہوگا جس میں ان لوگوں کو غوطہ دیا جائے گا جو دوزخ سے سزا پا کر کوئلہ بن کر باہر نکلیں گے جس سے یہ لوگ اپنی اصل حالت پر واپس آجائیں گے۔

قربان جائیے ان ایرانی فتنہ پردازوں کے کہ وہ اسے دنیا میں گھسیٹ لائے اور اس کے لیے روایات وضع کر دیں اور پھر عجمی صوفیا نے ان روایات کو پر لگا کر دنیا میں پھیلا دیا۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔

اس وقت ہمارا موضوع آب حیات نہیں بلکہ حضرت خضر اور ان کی طویل حیات ہے جس پر ہم کچھ ابتدا میں تبصرہ کر چکے ہیں۔ آیئے اب مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے خیالات بھی پڑھ لیجیے۔ وہ فرماتے ہیں۔

قول فیصل : ان ہر سہ مسائل میں قول فیصل یہ ہے کہ پہلی بات کے متعلق قرآن عزیز میں کوئی تذکرہ نہیں ہے نہ حضرت خضر کا نام مذکور ہے اور نہ لقب بلکہ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا کہہ کر ان کا واقعہ نقل کیا ہے۔ البتہ بخاری و مسلم کی صحیح احادیث میں خضر کہہ کر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس اگر تاریخی روایات سے ہم ان کے نام اور لقب کا پتہ لگا سکتے ہیں تو بآسانی یہ کہہ سکتے کہ فلاں نام ہے اور فلاں لقب۔ مگر اس بارے میں تاریخی اقوال اس درجہ مضطرب ہیں کہ ان سے کسی نتیجہ پر پہنچنا ناممکن ہے۔ لہٰذا ہمارے سامنے ان کی شخصیت کا تعارف صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ ان کو خضر کہا جاتا ہے اور یہ کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاصر ہیں۔ اس سے زیادہ ان کے نام یا لقب یا نسب کی تمام بحثیں بے دلیل محض تخمینی اقوال کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اور دوسری بات کے متعلق راجح قول یہ ہے کہ وہ نبی تھے اس لیے کہ قرآن عزیز نے جس انداز میں ان کے شرف کا ذکر کیا ہے وہ مقام نبوت پر ہی صادق آتا ہے اور مقام ولایت اس سے بہت فروتر ہے مثلاً جب خضر کے قتل کی وجہ بیان کی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ — اے موسیٰ یہ تیرے پروردگار کی رحمت ہے اور یہ کام

Marfat.com

اَمْرِیْ　　میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔

یہ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ تیرے رب کی رحمت کی بدولت ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ کسی ولی کے لیے جائز نہیں کہ وہ الہام کے ذریعہ کسی شخص کو قتل کر ڈالے اس لیے کہ اس میں مغالطہ کا امکان ہے اور اولیاء اللہ کے بہت سے مکاشفات میں اسی لیے کثرت سے تضاد پایا جاتا ہے اور اسی بنا پر اسے شرعی حجت تسلیم نہیں کیا گیا۔

لہٰذا امور تکوینیہ میں سے ایک ایسا تکوینی امر جو ظاہر سطح میں نہایت قبیح اور بہت بڑا جرم ہے۔ صرف حکم الٰہی کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے۔ اس آیت کے علاوہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر کے درمیان گفتگو کے واقعہ کو جس انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ وہ نبی تھے تب ہی حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر حضرت خضر کی معیت اور ان کے تکوینی علم کے مشاہدہ کے لیے اصرار کرتے ہیں اور تب ہی حضرت خضر جرأت کے ساتھ اپنے علم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان موازنہ کرتے نظر آتے ہیں۔

تاہم مجموعہ کمالات نبوت و رسالت کے اعتبار سے حضرت موسیٰؑ کا مقام حضرت خضر کے مقام سے بہت بلند ہے کیونکہ وہ خدا کے نبی بھی اور جلیل القدر رسول بھی ہیں، صاحبِ شریعت بھی ہیں اور صاحب کتاب بھی، اور رسولوں میں بھی اولوالعزم رسول ہیں۔ پس حضرت خضر کا وہ جزئی علم جو علم تکوین کے اسرار سے تعلق رکھتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جامع علم تشریعی پر فائق نہیں ہو سکتا۔ قصص القرآن ج ۱ ص ۵۴۴۔

حضرت خضر نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے ایک بچہ کو بھی قتل کیا تھا اور حضرت موسیٰؑ نے اس پر نکیر بھی فرمائی۔ لیکن جو اصل کام حضرت موسیٰؑ کو انجام دینا چاہیئے تھا وہ انہوں نے نہیں دیا۔ کیوں کہ اُن پر یہ حکم نازل ہوا تھا۔

اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ　　جان کے بدلے جان

لہٰذا حضرت موسیٰؑ کو انہیں قتل کرنا چاہیئے تھا لیکن حضرت موسیٰؑ نے نہ انہیں قتل کیا اور نہ اس کا ارادہ کیا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰؑ جانتے تھے کہ وہ کوئی عام انسان نہیں بلکہ نبی ہیں جن کی شریعت جداگانہ ہے لہٰذا ان پر حد جاری نہیں ہو سکتی ورنہ اگر صرف پیر یا ولی کی بات ہوتی تو حضرت موسیٰؑ حد جاری کرنے سے گریز ہرگز نہ کرتے اور دنیا میں ایک نئے منصور کا شاخسانہ کھڑا ہو جاتا۔

Marfat.com

مولینا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحوم آگے تحریر فرماتے ہیں۔

اور تیسری بات کے متعلق صحیح رائے علماء محققین ہی کی ہے جو اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت خضر کو حیات ابدی حاصل نہیں ہے اور وہ اپنی طبعی عمر کے بعد وفات پا چکے۔ اس لیے کہ قرآن عزیز میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو بھی حیات ابدی عطا نہیں فرمائی اور اس کے لیے اس دنیا میں موت ایک امر حق ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ الانبیاء ع ۳۔

اور اے نبی ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔

نیز قرآن عزیز میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے ہر ایک نبی سے یہ عہد و میثاق لیا ہے کہ جب محمد رسول اللہ کی بعثت ہو گی تو تم میں سے جو بھی اس وقت موجود ہو اس کا فرض ہو گا کہ وہ اس رسول پر ایمان بھی لائے اور اس کی مدد بھی کرے، چنانچہ تمام انبیاء و رسل نے اس کا اقرار کیا اور ان کے اور خدا کے درمیان شہادت و میثاق محکم و مضبوط ہوا۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔

اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے انبیاء سے یہ عہد لیا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب و حکمت دی ہے پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو ان امور کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہیں تو تمہیں یقیناً اس پر ایمان لانا ہو گا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہو گی۔ پھر اللہ نے سوال کیا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو انہوں نے جواب دیا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا گواہ ہو جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

پس اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو ان کا فرض تھا کہ وہ علی الاعلان حاضر خدمت ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور تمام غزوات میں آپ کی امداد و اعانت کرتے۔ مگر کسی صحیح روایت سے ان باتوں میں سے کسی بات کا ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ غزوۂ بدر و حنین وغیرہ میں جبرئیل امین اور ملائکہ کی اعانت و امداد کی تصریحات

Marfat.com

موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اس رات کو تم نے دیکھا؟ یہ واضح رہے کہ آج جو شخص بھی بقید حیات ہے ایک صدی گزرنے پر ان میں سے ایک شخص بھی زمین پر زندہ باقی نہیں رہے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ روایت اس عقیدہ کی تردید کرتی ہے کہ خضر اب تک زندہ ہیں۔ اس صحیح حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت خضر کی حیات ابدی کے لیے کوئی گنجائش نہیں نکلتی اور نہ ان کا استثناء کسی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ روایت صحیحین کے علاوہ مختلف طریقوں سے دوسری کتب حدیث میں بھی منقول ہے۔

اسی لیے مشہور محدث حافظ ابن الفتح نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک بھی صحیح روایت ایسی منقول نہیں ہے جس سے حضرت خضر کے زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہو۔ بلکہ اس کے برعکس آیات قرآنی اور صحیح روایات ان کی موت کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابن جوزی، امام بخاری، قاضی ابویعلی حنبلی، ابوطاہر بن علی العنباری، علی بن موسیٰ الرضا۔ ابوالفضل مرسی، ابوطاہر بن العبادی، ابوالفضل بن ناصر، قاضی ابوبکر العربی، ابوبکر محمد بن الحسن (اور قرطبی) جیسے جلیل القدر محدثین و مفسرین ان کی موت ہی کے قائل ہیں۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے کرائی جن کا نام خضر تھا۔ ان کو بعض اسرار کونیہ کا وہ علم عطا ہوا تھا جو حضرت موسیٰؑ کو نہیں دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کی شان حضرت خضر سے کہیں زیادہ ہے۔ حضرت خضر کا تذکرہ جس انداز سے قرآن عزیز نے کیا ہے اس سے یہی راجح نظر آتا ہے کہ وہ نبی تھے، تاہم بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ کو قرآن عزیز نے جس طرح مجمل رکھا ہے ہم صرف اسی پر یقین رکھیں۔ اور اس سے آگے اپنی تجسس کو دخل نہ دیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے اور چونکہ ان کی حیات ابدی کے لیے کوئی شرعی اور تاریخی دلیل موجود نہیں ہے اس لیے بلاشبہ وہ بھی اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت خضر کے واقعہ سے متعلق اور بھی بہت سی عجیب و غریب روایات تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں

Marfat.com

منقول ہیں۔ محققین کی نگاہ میں وہ سب موضوع اور بے اصل ہیں اور اسرائیلیات سے ماخوذ اس لیے ناقابل اعتماد ہیں۔ قصص القرآن ج ۱ ص ۵۴۴۔

مولانا حفظ الرحمان صاحب مرحوم نے سورت انبیاء کی ایک آیت کا حوالہ پیش فرمایا ہے "کہ ہم نے آپ سے پہلے کے کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ اس آیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دو امور واضح ہوتے ہیں"

۱۔ حضرت خضر اگر انسان تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل وفات پا چکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے کے کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔

۲۔ اگر انہیں زبردستی زندہ تسلیم ہی کرانا ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ وہ انسان نہ تھے اور ہم نے قرطبی کے حوالہ سے ایک قول یہ نقل بھی کیا تھا کہ وہ فرشتہ تھے اگرچہ قرطبی نے اس قول کو ضعیف قرار دے کر اس پر کوئی بحث نہیں کی لیکن علامہ مودودی صاحب مرحوم نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کر کے اس کے دلائل پیش کیے اور ماشاء اللہ کافی عمدہ دلائل دیے ہیں ذہن اس جانب راغب بھی ہوتا ہے لہٰذا جب وہ انسان ہی نہ تھے بلکہ فرشتہ تھے تو ان کی حیات و ممات پر بحث ہی بے کار ہے اور اسی بلاغت علامہ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں حیات خضر کے مسئلہ کو چھیڑا تک نہیں۔ بلکہ انہیں فرشتہ قرار دے کر اس مسئلہ کی بنیاد ہی ختم فرما دی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ آج اس روئے زمین پر جتنے افراد ہیں وہ سب سو سال کے اندر مر جائیں گے۔ یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے اور حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ آپ نے یہ بات وفات سے ایک ماہ قبل فرمائی تھی۔ اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ۱۱۱ھ کی ابتداء تک روئے زمین کے تمام افراد کو زمین سے اٹھ جانا ہے اگر خضر زندہ تھے تو اگر وہ انسان تھے تو انہیں بھی لازماً موت واقع ہو چکی۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ وہ انسان نہ ہوں۔

ہمارے ذہن میں گزشتہ دلائل کے علاوہ کچھ اور بھی دلائل ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لوکان موسیٰ حیا ما وسعہ — اگر آج موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے

Marfat.com

الاتباعی بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا

اس کا لازمی تقاضا ہے کہ جو فرد بشر بھی زندہ ہو اور اس تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پہنچی ہو تو آپ پر ایمان لائے بغیر اس کی نجات ممکن نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت خضر زندہ تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے یا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایمان لائے تو اس کا تاریخی ثبوت درکار ہے۔ اس لیے کہ جو شخص بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور آپ کی بیعت کی وہ صحابی کہلاتا ہے اور ہر صحابی کی صحابیت کا تاریخی ثبوت موجود ہے اور متعدد محدثین نے صحابہ کے حالات اپنی اپنی کتابوں میں جمع کیے ہیں۔ ان میں خضر نامی کوئی صحابی نہیں پایا جاتا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے اگر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ غائبانہ ایمان لائے تھے تو یہ امر تو خود بخود ثابت ہو گیا کہ ان کا مقام صحابہ سے کم تر ہے۔ کیونکہ انہیں زیارتِ رسول حاصل نہیں ہوئی۔

لیکن اگر وہ غائبانہ ایمان بھی لائے تھے تو شریعت اسلامیہ کی تعلیم کن کن صحابہ سے حاصل کی۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو گویا ان کا مقام تابعی سے بھی گر کر ہے اور یہ سوال تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتا رہے گا کہ کسی تابعی سے مستفیض ہوئے یا نہیں اور جب اس کا ثبوت نہیں تو خیر القرون میں تو ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس صورت میں یا تو یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ان کی موت واقع ہو چکی یا یہ قبول کرنا ہو گا کہ شریعت اسلامیہ میں ان کا کوئی مقام نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ اس دور میں اپنی طبعی موت مر چکے۔ ورنہ قرآن، حدیث اور قانون فطرت کی تردید لازم آئے گی

اور مزید یہ سوال پیدا ہو گا کہ اگر وہ زندہ ہیں اور بشر طیکہ انسان ہیں تو آیا انہوں نے ازدواجی زندگی گزاری یا صوفیا کی طرح تجرد کی زندگی گزاری ہے اگر انہوں نے ازدواجی زندگی گزاری ہے تو اب تک ان کی نسل سے پورا ایک ملک آباد ہو چکا ہوتا اور اگر تجرد کی زندگی گزاری ہے تو اس تجرد کی انہیں کس نے تعلیم دی۔ کیونکہ کسی نبی یا رسول کی شریعت میں تجرد کی تعلیم نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اب تجرد کی زندگی گزارنے والوں کو چاہیئے کہ خود کو شریعت محمدیہ کے بجائے شریعتِ خضریہ کی جانب منسوب کریں۔

Marfat.com

Marfat.com

یاساریـة الجبل

یہ الفاظ حضرت عمرؓ کی جانب منسوب ہیں اور قصہ کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ساریہؓ نامی ایک شخص کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ اتفاق سے وہ دشمنوں سے شکست کھانے لگا۔ اس لشکر کے قریب کوئی پہاڑ تھا۔ اچانک مدینہ میں حضرت عمرؓ کو اس وقت الہام ہوا جب آپ خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے اسی حالت میں چیخنا شروع کیا یاساریة الجبل الجبل ... اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز ساریہؓ تک پہنچا دی۔ ساریہؓ اہلِ لشکر کو لے کر پہاڑ کی جانب چلے گئے اور ایک جانب سے جنگ کی۔ نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الشیبانی الشافعی الاثری رقم طراز ہیں۔

حدیث یاساریة الجبل الجبل۔ یہ بات حضرت عمرؓ نے فرمائی تھی جب آپ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ وہ لشکر جو انہوں نے ساریہؓ کے ساتھ فارس کی جانب روانہ کیا ہے، ایک وادی میں اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا ہے اور وہ شکست کھانے کے قریب ہے اور پاس ہی ایک پہاڑ ہے انہوں نے دوران خطبہ بلند آواز سے یہ الفاظ ادا کیے۔ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے ساریہؓ کے کان میں ڈال دیے۔ انہوں نے پہاڑ کی پناہ لے کر دشمن سے جنگ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔ یہ واقعہ فقیہ واحدی نے اسامۃ بن زید بن اسلم سے نقل کیا ہے اور اسامہ نے اپنے والد زید بن اسلم سے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے۔

نیز بہ روایت بیہقی نے دلائل میں اور ابن الاعرابی نے کرامات الاولیاء وغیرہ میں ذکر کی ہے۔ تمیز الطیب من الخبیث فی مایدور علی السنۃ الناس من الحدیث صـ۱۹۸۔

علامہ عبدالرحمان الاثری نے اس روایت پر کوئی کلام نہیں کیا۔ حالانکہ انہوں نے اپنی کتاب میں وہ روایات جو لوگوں کی زبان پر مشہور ہیں جمع کر کے ان کی صحت یا ان کا سقم بیان کیا ہے ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ اس روایت پر

Marfat.com

اپنا کوئی فیصلہ دیتے۔ لیکن غالباً وہ اس روایت پر کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے قاصر رہے۔ ہاں انہوں نے اتنا کام ضرور کیا کہ اپنے استاد حافظ سخاوی کی المقاصد الحسنہ کی تلخیص فرما دی۔ اور اس میں سے کئی اہم باتیں حذف کر دی ہیں جو اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ باتیں اثری صاحب کا ذہن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

ہم اس روایت پر تبصرہ کرنے سے قبل یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ حافظ سخاوی نے اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ قارئین کے سامنے پیش کیا جائے۔ حافظ سخاوی تحریر فرماتے ہیں۔

یاساریۃ الجبل الجبل : یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جو انہوں نے خطبۂ جمعہ میں کہے تھے جب کہ ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ وہ لشکر جو انہوں نے فارس کی جانب ساریہ کے ساتھ روانہ کیا تھا اور وہ اس وقت ایک وادی میں تھے اور لشکر شکست کھانے کے قریب تھا اور قریب میں ایک پہاڑ تھا تو حضرت عمرؓ نے خطبہ کے دوران بلند آواز سے یہ الفاظ کہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ ساریہؓ کے کان میں ڈال دیے۔ وہ لوگوں کو لے کر پہاڑ کی طرف چلے گئے اور پہاڑ کی طرف پشت کر کے انہوں نے دشمن سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔

اس واقعہ کو واقدی نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے اور اس نے اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عمرؓ سے بیہقی نے بھی اسے دلائل میں۔ لالکائی نے شرح السنہ میں۔ دیرعاقولی نے اپنی فوائد میں اور ابن العربی نے کرامات الاولیاء میں ابن وہب کے ذریعہ نقل کیا ہے۔ ابن وہب نے یحییٰ بن ایوب سے انہوں نے ابن عجلان سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر ساریہؓ نامی ایک شخص کو بنایا۔ پھر اچانک ایک روز جب عمرؓ خطبہ دے رہے تھے تو انہوں نے تین بار یہ الفاظ کہے یاساریۃ الجبل

جب اس لشکر کا قاصد آیا تو حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے عرض کیا اے امیر المومنین ہم شکست کھا رہے تھے اچانک ہم نے ایک آواز سنی جو یہ الفاظ کہہ رہی تھی یاساریۃ الجبل : یہ آواز تین بار آئی۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنے پس پشت کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست دی۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہنا شروع کیا کہ آپ اتنے زور سے چیختے ہیں۔ یہ روایت حرملہ نے اپنی جمع میں ابن وہب کے ذریعہ نقل کی ہے۔ اور ہمارے استاد (یعنی حافظ ابن حجر) کا قول ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ابن تیمیہ نے اسے صحیح کہا ہے اور فرمایا ہے کہ ساریہؓ کے کانوں میں کسی جن نے آواز ڈالی ہوگی۔

Marfat.com

اور یہ تو انتہا سے زیادہ پاگل پن ہے۔

ابن مردویہ نے یہ واقعہ میمون بن مہران کے ذریعہ ابن عمرؓ سے اور انہوں نے اپنے والد سے کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے اثناءِ خطبہ میں انہوں نے یہ الفاظ فرمائے اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف جو شخص بھیڑیے کو پالے گا وہ ظلم کرے گا۔ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا میں اس بات کی ٹوہ لگاؤں گا کہ یہ الفاظ کس لیے کہے گئے۔ جب حضرت عمرؓ فارغ ہوئے تو لوگوں نے اُن سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ مشرکین ہمارے بھائیوں کو شکست دے رہے ہیں اور وہ اس وقت ایک پہاڑ سے گزر رہے ہیں اگر یہ لوگ پہاڑ کو پشت پر رکھ کر ایک جانب سے جنگ کریں گے تو کامیاب ہو جائیں گے۔ ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی سوچ میں میری زبان سے وہ الفاظ نکل گئے جو تم نے سنے۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک ماہ بعد قاصد آیا تو اس نے بیان کیا کہ لوگوں نے فلاں روز عمرؓ کی آواز سنی اور ہم نے پہاڑ کو مورچہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی۔ المقاصد ص۴۷۷۔

گویا یہ واقعہ امام ابن تیمیہ کے نزدیک صحیح اور حافظ ابن حجر اور حافظ سخاوی کے نزدیک حسن ہے۔

اس واقعہ کی تین سندات ہیں۔ لیکن سندات پر گفتگو تو ہم بعد میں کریں گے۔ فی الوقت تو ہمارے ذہن میں چند شبہات سر ابھار رہے ہیں پہلے ہم وہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ فارس، ایران اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ پر جتنے لشکر بھیجے گئے اور ان کے جو امیر بنائے گئے آج تک ہمیں کسی تاریخ میں یہ دستیاب نہیں ہو سکا کہ ساریہؓ کو کس لشکر کا امیر بنایا گیا اور کہاں بھیجا گیا۔ اور وہ کونسی جنگ تھی جس میں انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ اس سے پوری تاریخ خاموش ہے حالانکہ اتنا اہم واقعہ تو ہر کتاب کی زینت بننا چاہیئے تھا۔

۲۔ یہ روایت جن جن کتابوں میں پائی جاتی ہے وہ علماء کی نظروں میں سب غیر معروف اور نامعتبر ہیں۔ مثلاً حریلہ کی الجمع کا آج کوئی وجود نہیں۔

۳۔ واقدی کے علاوہ جن لوگوں نے اس روایت کو نقل کیا وہ سب متاخرین میں داخل ہیں۔

۴۔ تاریخ میں جنگ فارس میں ایک واقعہ واقعہ جسر کے نام سے مشہور ہے۔ جو ابو عبید ثقفی اور بہمن

Marfat.com

کے مابین پیش آیا۔ لیکن اس جنگ کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نو ہزار مسلمانوں میں سے چھ ہزار شہید ہو گئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے جو پوری تاریخ اسلام میں واحد واقعہ ہے۔ یہ واقعہ بروز ہفتہ رمضان ۱۳ھ میں پیش آیا تفصیل کے لیے دیکھیے الفاروق ص ۱۳۴ لیکن اتنی المناک شکست کے باوجود وہاں اس جناتی کرامت کا کوئی ظہور نہیں ہوا۔ اور ایک نامعلوم مقام پر اور نامعلوم جنگ میں اتنی بڑی کرامت کا ظہور ہوا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس نے طالب علمی کے دور سے آج تک ہمیں الجھا رکھا ہے۔ اور بچپن سے آج تک ایک لمحہ کے لیے بھی میرے ذہن نے اس کرامت کو قبول نہیں کیا اور نہ آج تک میں یہ معلوم کر سکا کہ یہ ساریہؓ کے ساتھ لشکر کس جگہ گیا تھا اور وہ کون سی جنگ تھی جو پیش آئی تھی۔

۵۔ اس تگ و دو سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ ساریہ کا نسب نامہ معلوم ہو گیا جو قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔

ساریہ بن زنیم بن عمرو بن عبداللہ بن جابر بن نجبۃ بن عبد بن عدی بن دیل بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔ اس نسب نامہ سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا تعلق بنو بکر بن کنانہ سے ہے۔ قریش اور انصار سے نہیں۔

جہاں تک اس کی سندات کا تعلق ہے وہ صرف تین ہیں۔

۱۔ واقدی، اسامۃ بن زید، زید بن اسلم۔ عمرؓ

۲۔ ابن وہب۔ یحییٰ بن ایوب، ابن عجلان۔ نافع۔ ابن عمرؓ

۳۔ میمون بن مہران۔ ابن عمرؓ

پہلی سند کے دو راوی قابلِ اعتراض ہیں، واقدی اور اسامۃ بن زید۔

واقدی: ان ذات شریف کا نام محمد بن عمر بن واقد الاسلمی المدنی ہے۔ اس کا دادا واقد عبداللہ بن بریدۃ بن الحصیب کا غلام تھا۔ یہ واقدی ۱۳۰ھ میں پیدا ہوا۔ ابن جریج، ابن عجلان، معمر اور ثور بن یزید وغیرہ سے روایات نقل کیں۔

ذہبی کا بیان ہے کہ ذی الحجہ ۲۰۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس وقت یہ قاضی تھا۔ لیکن امام بخاری نے سن وفات ۲۰۹ھ یا اس کے کچھ بعد بیان کیا ہے۔

Marfat.com

ابن ماجہ نے اس کی روایت یہ کہہ کر نقل کی کہ ہم سے ابن ابی شیبہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ایک شخص نے بیان کیا۔ اس نامعلوم شخص سے مراد واقدی ہے۔ جو بغداد کا قاضی تھا۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ابن ماجہ میں اتنی جرأت ہی پیدا نہ ہو سکی کہ وہ واقدی کا نام لیتے۔

(صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے اس کی روایت نہیں لی اور ابن ماجہ نے بھی صرف ایک روایت لی اور وہ اس کا نام ظاہر کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔ یعنی یہ حضرت اس کا پورا مصداق تھے کہ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ احادیث میں تبدیلیاں کرتا۔ زہری کے بھتیجے سے مروی روایات امام معمر کی جانب منسوب کرتا اور اسی قسم کی حرکات کرتا تھا۔

یحیٰی بن معین کا قول ہے کہ یہ ثقہ نہیں اور ایک بار فرمایا کہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ بخاری اور ابوحاتم کہتے ہیں متروک ہے۔ ابوحاتم اور نسائی یہاں تک کہتے ہیں کہ واقدی احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ دارقطنی کا بیان ہے کہ اس میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی روایات درست نہیں ہوتیں۔ اور تمام آفت اسی کی مچائی ہوئی ہے۔

ابن الجوزی وغیرہ کا بیان ہے کہ اس واقدی کو محمد بن ابی شملہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نام دھوکہ دینے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ تاکہ لوگوں میں اس فرضی نام سے اس کی داستانیں پھیلائی جائیں۔ لیکن امام بخاری نے واقدی کے بعد ابن ابی شملہ کا ذکر کیا ہے، جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابن ابی شملہ کو کوئی دوسرا فرد سمجھتے ہیں۔

ابوغالب ابن بنت معاویہ بن عمرو کا بیان ہے کہ میں نے امام علی بن المدینی کو یہ کہتے سنا ہے کہ واقدی احادیث وضع کیا کرتا تھا۔

مجاہد بن موسیٰ کہتے ہیں میں نے جن لوگوں سے روایات لکھی ہیں ان میں واقدی سے زیادہ حافظہ کسی کا نہیں پایا۔

ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے اس لیے کہ تاریخی واقعات، سیرتیں، غزوات، حوادث زمانہ لوگوں پر گزرے ہوئے وقت اور فقہ ان سب چیزوں میں اسے انتہائی کمال حاصل تھا۔

Marfat.com
Marfat.com

سلیمان الشاذکونی کا بیان ہے کہ واقدی یا تو سب سے زیادہ سچا ہے اور یا سب سے زیادہ جھوٹا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اس سے روایات لکھیں۔ جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو میں نے وہ لکھی ہوئی روایات لے کر اس کے پاس آیا اور ان روایات کے سلسلہ میں اس سے سوالات کرنے لگا۔ وہ انہیں بیان کرتا جاتا اور اس تحریر اور اس بیان میں ایک حرف کا بھی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ میں نے بلحاظ حافظہ ایسا کوئی دوسرا انسان نہیں دیکھا۔

ابوداؤد کہتے ہیں مجھ تک علی بن المدینی کا یہ قول پہنچا ہے کہ واقدی تیس ہزار غریب احادیث روایت کرتا ہے اور مغیرۃ بن محمد المہلبی نے ابن المدینی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک ہشیم بن عدی واقدی سے زیادہ بہتر ہے میں اس سے نہ تو حدیث میں خوش ہوں۔ نہ انساب میں اور نہ کسی اور شئے میں۔

اسحاق بن الطباع کا بیان ہے کہ میں نے مکہ کے راستہ میں واقدی کو دیکھا۔ وہ تو نماز بھی اچھی طرح نہ پڑھتا تھا۔

بخاری کہتے ہیں اس سے محدثین نے سکوت اختیار کیا ہے۔ میرے پاس اس کی کوئی روایت نہیں۔

اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ واقدی میرے نزدیک احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۶۳۔

امام بخاری الضعفا الصغیر میں لکھتے ہیں محمد بن عمر الواقدی بغداد کا قاضی تھا۔ مالک اور معمر سے روایات نقل کرتا ہے۔ متروک الحدیث ہے ۲۰۹ھ یا اس کے کچھ بعد اس کا انتقال ہوا۔ الضعفاء الصغیر ص ۱۰۴۔

امام نسائی لکھتے ہیں محمد بن عمر الواقدی متروک الحدیث ہے۔ کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی ص ۹۳

حافظ ابن حجر نے بھی اسے متروک قرار دیا۔ تقریب ص ۲۱۳۔

دارقطنی لکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اس کی حدیث سے اس کا ضعف ظاہر ہے کتاب الضعفاء والمتروکین الدارقطنی ص ۱۵۳۔

عبدالرحمان بن ابی حاتم رقمطراز ہیں۔

سعید بن ابی داؤد کا بیان ہے کہ ہم ہشیم کے پاس بیٹھے تھے، اتنے میں واقدی آگیا۔ اور سوال کیا اے ہشیم فلاں مسئلہ میں آپ کے پاس کتنی حدیثیں ہیں۔ ہشیم نے پانچ یا چھ حدیثیں بیان کیں اور پھر واقدی سے

Marfat.com

Marfat.com

دریافت کیا تمہارے پاس کتنی حدیثیں ہیں۔ اس نے احادیث، اقوال صحابہ تیس کی تعداد میں بیان کیے اور پھر کہنے لگا۔ میں نے اس سلسلہ میں مالک سے سوال کیا۔ میں نے ابن ابی ذئب سے سوال کیا۔ میں نے فلاں سے دریافت کیا اور فلاں سے دریافت کیا۔ سنید کا بیان ہے کہ میں نے ہشیم کے چہرے کو دیکھا تو ان کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا یہ دیکھ کر واقدی اٹھ کر چلا گیا۔ ہشیم نے کہا اے سنید اگر یہ شخص سچا ہے تو دنیا میں اس کی مثال نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب بھی اس کی کوئی مثال نہیں۔

یونس بن عبدالاعلی کا بیان ہے کہ مجھ سے شافعی نے فرمایا کہ واقدی کی تمام کتابیں خالص جھوٹ ہیں۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں ہم نے واقدی کی احادیث پر غور کیا تو وہ اہل مدینہ کی جتنی روایات نقل کرتا ہے وہ سب مجہول راویوں سے ہوتی ہیں اور سب منکر ہوتی ہیں (جیسا کہ واقعہ حرہ اور مدینہ کو حلال کرنا اور ایک ہزار عورتوں کا حاملہ ہونا تو ہمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہو سکتا ہے یہ سب منکرات اسی کی وضع کردہ ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ روایات ان مجہول راویوں نے گھڑی ہوں اور یہ صرف ناقل ہو۔ لیکن جب ہم نے ان روایات پر غور کیا جو اس نے ابن ابی ذئب اور معمر جیسے لوگوں سے نقل کی ہیں۔ حالانکہ وہ ان کی احادیث یاد رکھنے میں مشہور تھا۔ تو اس نے ان سے بھی منکر روایات نقل کی تھیں۔ جس سے ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ سب اسی کی کارستانی ہے۔

ابوزرعہ کا قول ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۲۰۔

بلکہ سمعانی وغیرہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ واقدی کی جانب جتنی کتابیں منسوب ہیں یہ اس کی کتابیں نہیں بلکہ ابراہیم بن محمد المدینی رافضی کی تصانیف ہیں اور چونکہ وہ بہت بدنام ہو چکا تھا اس لیے واقدی نے اس کی کتابوں کو اپنے نام سے پھیلایا۔ یہی بات نواب مہدی علی خان نے اپنی آیات بینات میں تحریر کی ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ واقدی بہت بڑا تقیہ باز شخص تھا۔ اور تشیع کو پھیلانے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

اس واقدی نے یہ کہا ابی اسامۃ بن زید المدنی سے نقل کی ہے۔ اب مختصر سا خاکہ اس اسامہ کا ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

اسامۃ بن زید اللیثی المدنی : یہ حضرت اسامۃ بن زید صحابی نہیں بلکہ یہ حضرت عمرؓ کے غلام زید بن اسلم کے صاحبزادے ہیں۔ صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے اس سے روایت نہیں لی۔ آدمی تو بیچارہ نیک تھا لیکن امام احمد کہتے ہیں اس کا حافظہ خراب تھا۔ اس لیے اس کی کوئی بات قابلِ قبول نہیں۔ نسائی وغیرہ کہتے ہیں قوی نہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ضعیف ہے۔ میزان ج ۱ ص ۱۷۲۔

امام بخاری کا قول ہے کہ یہ قوی نہیں۔ الضعفاء الصغیر ص ۲۰۔

نسائی لکھتے ہیں، اسامۃ بن زید بن اسلم قوی نہیں۔ کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۲۰۔

عبدالرحمان بن ابی حاتم رقمطراز ہیں۔

مجھ سے صالح نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل کا یہ قول مجھ سے بیان کیا کہ اسامۃ بن زید بن اسلم منکر الحدیث اور ضعیف ہے اور عباس الدوری نے مجھ سے یحییٰ بن معین کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اس کی حدیث کچھ نہیں اور قطان جن لوگوں سے روایت نقل کرتا ہے، یہ ان میں سب سے زیادہ ضعیف ہے۔

ابوزرعہ سے دریافت کیا کہ زید بن اسلم کے دونوں بیٹوں یعنی اسامہ اور عبداللہ میں کون زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے فرمایا اسامہ (اس لیے کہ عبداللہ تو اس سے بھی بدتر ہے) الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۲۸۵۔

یہ ہے اس کہانی کی پہلی سند کا حال کہ اگر کچھ دیر کے لیے اسامہ سے چشم پوشی بھی اختیار کر لی جائے تو اس سے نقل کرنے والا واقدی ہے اور غالباً یہ کہانی اسی نے وضع کی ہے۔

جہاں تک ابن مردویہ کی روایت کا تعلق ہے یعنی میمون بن مہران والی روایت تو ابن مردویہ کی کتاب آج دنیا میں دستیاب نہیں اور ابن مردویہ اور حضرت ابن عمرؓ کے درمیان کم از کم سات آٹھ راوی درکار ہیں صرف ایک راوی کا نام ظاہر کرنے سے کوئی کام نہیں چلتا۔ اس طرح اس روایت کی پوری سند مجہول ہے۔ اور اس کا عدم وجود مساوی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

اب صرف ایک سند باقی رہتی ہے یعنی یحییٰ بن ایوب، ابن وہب، ابن عجلان۔ نافع اور ابن عمر۔ یہی وہ سند ہے جس کے باعث حافظ ابن حجر اور سخاوی نے اسے حسن اور امام ابن تیمیہ نے اسے صحیح قرار دے کر اسے کسی جن کا کرشمہ قرار دیا۔ غالباً ان حضرات کے پیش نظر یہ تخیل کارفرما ہوگا جو ہمیشہ متاخرین کی راہ میں حائل ہوتا رہا ہے کہ ابن وہب، یحییٰ بن ایوب اور نافع تمام صحاح ستہ کے راوی ہیں اور ابن عجلان بخاری کے علاوہ بقیہ تمام کتابوں کے راوی ہیں۔

غالباً یہ حضرات یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر راوی ثقہ ہوں تب بھی روایت ناقابل قبول ہو سکتی ہے کیونکہ ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خطا اور بھول سے معصوم ہو۔

اور ایک یہ بھی اصول ہے کہ واقعہ ایسا ہے کہ اگر وہ پیش آتا تو سینکڑوں اور ہزارہا افراد اسے نقل کرتے لیکن صرف ایک یا دو افراد اسے نقل کر رہے ہوں تو یہ صورتِ حال خود اس روایت کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ اور امام ابن الیقیم نے اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے حدیث قلتین جو انتہائی صحت سند کے ساتھ مروی تھی اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

غور کیجیے کہ دوران خطبۂ جمعہ بلند آواز سے یہ الفاظ دہرائے جا رہے ہیں۔ واقعہ مسجد نبوی کا ہے ہزارہا افراد موجود ہیں لیکن بجز ایک ابن عمرؓ کے اسے کوئی بیان نہیں کرتا۔ ابن عمرؓ سے نافع کے علاوہ کوئی نقل نہیں کرتا۔ نافع سے ابن عجلان کے علاوہ کوئی ناقل نہیں۔ ابن عجلان سے یحییٰ بن ایوب کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا اور پھر یحییٰ سے ابن وہب کے علاوہ کوئی ناقل نہیں اور پھر کسی مشہور محدث نے اسے اپنی کتاب میں نقل کرنا پسند نہیں کیا، حتیٰ کہ صرف ایک حرملہ نے اپنی جمع میں اسے نقل کیا ہے اور وہاں سے بعد کے حضرات نے۔ حالانکہ حرملہ کی کتاب سے آج روئے زمین پر کوئی واقف کار موجود نہیں بلکہ مشہور محدثین کی صف میں حرملہ کا شمار تک نہیں ہوتا۔ آخر یہ تمام حضرات محدثین اتنی صحیح روایت سے کیسے غافل رہے یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو متقدمین کے دور میں اس روایت کا کوئی وجود نہ تھا اور اگر اس کا وجود تھا تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ان سب حضرات محدثین نے اسے ناقابلِ قبول تصور کیا۔

نیز اس پر بھی غور کیجیے کہ سرزمین فارس میں اس آواز کو بقول راوی پورے لشکر نے سنا جو ظاہر

ہے کہ ہزار ہا افراد پر مشتمل ہو گا۔ لیکن ان میں سے بھی کوئی فرد اسے نقل نہیں کرتا۔

سندی لحاظ سے اگرچہ حرملہ نے ایسے راویوں سے نقل کیا جو بخاری و مسلم کے رواۃ ہیں لیکن جب کتب رجال کے ذریعہ ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو ان میں سے بعض رواۃ پر اعتراضات ہیں اس سلسلہ میں سب سے اوّل یحییٰ بن ایوب کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

یحییٰ بن ایوب الغافضی المصری :

ان کی کنیت ابو العباس ہے۔ اہل مصر کے عالم اور ان کے مفتی ہیں، تمام صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں اس کی حدیث اچھی ہوتی ہے۔ ابن مدی کہتے ہیں یہ میرے نزدیک سچا ہے امام احمد فرماتے ہیں اس کا حافظہ بہت خراب تھا۔ ابن القطان الفاسی کا قول ہے کہ میں اس کا حال اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کی حدیث حجت نہیں۔ دار قطنی کا بیان ہے کہ اس کی بعض روایات مضطرب ہوتی ہیں۔ ابن مدی اور ذہبی نے اس کی دس روایات کو منکر قرار دیا۔ ۱۶۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ میزان ج ۴ ص ۳۶۴۔

نسائی لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن ایوب قوی نہیں۔ کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۱۱۸۔

عبدالرحمان بن ابی حاتم رقمطراز ہیں کہ عبداللہ بن احمد نے مجھے لکھ کر بھیجا ہے کہ ان کے والد امام احمد فرمایا کرتے تھے۔ یحییٰ بن ایوب کا حافظہ بہت تھا۔ یہ حدیث میں حیوہ اور سعید بن ابی ایوب سے کمتر سمجھا جاتا ہے۔

عبدالرحمان کا بیان ہے کہ میرے دادا ابو حاتم رازی سے سوال کیا گیا کہ آپ یحییٰ بن ایوب کو زیادہ پسند کرتے ہیں یا ابن ابی موالی کو۔ انہوں نے فرمایا ابن ابی الموالی کے مقابلہ میں مجھے یحییٰ زیادہ پسند ہے اور یحییٰ اگرچہ سچا آدمی ہے۔ اس کی حدیث لکھ لی جائے۔ لیکن اس کی حدیث کو حجت نہ سمجھا جائے۔ الجرح والتعدیل ج ۹ ص ۱۲۷۔

یعنی اکثر آئمہ محدثین کے نزدیک اس کی روایت حجت نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس کی روایت کو دلیل بنایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

جب اس روایت کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا اور یحیی بن ایوب کا حافظہ خراب تھا۔ تو یہ روایت کراہتوں کے سلسلہ میں دلیل کیسے بن سکتی ہے۔ اب آیئے ایک اور راوی محمد بن عجلان کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

اس سے بخاری کے علاوہ تمام محدثین نے روایت نقل کی ہے حدیث میں مشہور

محمد بن عجلان: امام ہے، سچا ہے۔ امام احمد یحیی بن معین ابن عیینہ اور ابو حاتم کے نزدیک ثقہ ہے۔

حاکم کا بیان ہے کہ مسلم نے اس سے تیرہ روایات لی ہیں اور سب بطور شواہد لی ہیں۔ لیکن ہمارے ائمہ میں سے متاخرین نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس کا حافظہ خراب تھا۔ یحیی بن سعید القطان کہتے ہیں کہ اسے نافع کی حدیث میں اضطراب ہوتا ہے۔

عبدالرحمان بن القاسم کہتے ہیں کہ امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کچھ اہل علم حدیث بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا وہ کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ابن عجلان۔ انھوں نے فرمایا۔ ابن عجلان تو احادیث کو پہچانتا بھی نہیں۔ اور وہ عالم شخص نہیں ہے۔ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۴۴

اگرچہ اکثر محدثین نے محمد بن عجلان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن یحیی بن سعید القطان کے بقول نافع کی روایت میں اسے اضطراب ہوتا ہے۔ گویا ابن عجلان کی وہ روایت قابل قبول نہیں جو وہ نافع سے نقل کرے۔ اور یہ روایت بھی نافع سے نقل کی جا رہی ہے۔

گویا اس روایت میں اولین نقص تو یہ ہے کہ محمد بن عجلان کی نافع والی روایت قابل قبول نہیں۔

ثانیاً یحیی بن ایوب کا حافظہ خراب تھا۔ اس کی حدیث قطعاً حجت نہیں۔

ہمیں حیرت تو اس پر ہے کہ امام ابن تیمیہ نے اسے صحیح قرار دے کر اور پھر ذہنی طور پر جنات کو وسیلہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ دونوں ہی امور غلط ہیں۔ کیونکہ اوّل تو روایت ہی درست نہیں اور جنات کا وسیلہ یہ صرف امام ابن تیمیہ کی ذہنی پرواز ہے جو خود دلیل کی محتاج ہے۔ اور انھوں نے غالباً یہ سوچ کر ایسا کہا ہوگا کہ کسی انسان کی آواز مدینہ سے فارس تک پہنچنا اور پھر وہاں آواز سنی جانا ایک امر محال ہے۔ اور کرامتوں کے ذریعہ وہ امور ہرگز تبدیل نہیں ہوتے جو محال ہوں۔ لہٰذا یہ واقعہ بلحاظ روایت اور بلحاظ درایت ہر طرح سے غلط ہے۔

تمت

Marfat.com

Marfat.com

ماخذ علمی

غلطی سے حصّہ اوّل کا ماخذ علمی طباعت سے رہ گیا تھا اس لیے ہر دو حصّوں میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ان کا ماخذ علمی یکجا کر دیا گیا ہے۔

القرآن المجید		امیر معاویہ کی سیاسی زندگی	حکیم علی احمد
الاصابہ فی احوال الصحابہ	ابن حجر	اغاثۃ اللہفان فی مکائد الشیطان	علامہ ابن القیم ؒ
اسد الغابہ	ابن اثیر		
الاکمال فی اسماء الرجال	ولی الدین الخطیب	الاستدراکات	دار قطنی
اصح السیر	حکیم عبدالرؤف دانا پوری	الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	شاہ ولی اللہ ؒ
احکام القرآن	ابوبکر جصاص رازی		
ابن ماجہ اور علم حدیث	مولینا عبدالرشید نعمانی	بانگ درا	ڈاکٹر سر محمد اقبال
اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ	شیخ عبدالحق دہلوی	البدایۃ والنہایۃ	حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی
آیات بینات	سید مہدی علی خان	تورات	؟
اشراف قریش	؟	تاریخ الامم الملوک	محمد بن جریر طبری
انساب الاشراف	بلاذری	تاریخ العرب قبل الاسلام	؟
ازالۃ الخفا	شاہ ولی اللہ دہلوی	تقلید المہتمل	ابو علی غسانی
اخبار الطوال	ابوحنیفہ دینوری	التبع	دار قطنی
اصول کافی	کلینی	تدریب الراوی	جلال الدین سیوطی
الاحتجاج	طبرسی	تہذیب سنن ابی داؤد	علامہ ابن القیم
الامامۃ والسیاسۃ	ابن قتیبہ	تقریب	حافظ ابن حجر

Marfat.com

Marfat.com

تفسیر القرآن	محمد بن جریر طبری	السنن	دار قطنی
تذکرۃ الموضوعات	محمد طاہر پٹنی	خلفاء راشدین	شاہ معین الدین ندوی
〃 〃	ابو الفضل القدسی	خلافت و ملوکیت	علامہ مودودی
تاریخ الکبیر	امام بخاری	رحمۃ للعالمین	سید سلمان منصور پوری
تفہیم القرآن	علامہ مودودی	روضۃ الاحباب	
تمیز الطیب من الخبیث	عبد الرحمٰن بن علی الشیبانی	ربیع الابرار	جار اللہ زمخشری
جمہرۃ الانساب	ابن حزم	رفع اعلام عن ائمۃ الاعلام	ابن تیمیہ
		رسالہ النجم لکھنؤ	
الجواہر المضیۃ	حافظ عبد القادر قرشی	الروض الانف	سہیلی
سیرت النبی	شبلی و سید سلیمان ندوی	زاد المعاد	علامہ ابن القیم
السنن	نسائی	الزہرہ	خان بہادر ادلاد حیدر فوق
السنن	ابو داؤد	شرح نہج البلاغہ	ابن ابی الحدید
السنن	ابن ماجہ	شرح مسلم	امام نووی
السنن	ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی المتوفی ۲۵۵ھ	شرح الفیہ	حافظ عراقی
		الشرح الکبیر	حافظ عراقی
سیرت البخاری	عبد السلام مبارکپوری	الشافی	شرح اصول کافی
السلسلۃ الاحادیث الضعیفہ	ناصر الدین البانی	الشفاء	قاضی عیاض
السیرت	عبد الملک بن ہشام	الصحیح	مسلم بن الحجاج
سیرت عائشہ	سید سلمان ندوی	الصواعق المحرقہ	ابن حجر ہیثمی
السیرۃ النبویہ	ابو الفداء اسماعیل بن کثیر	الضعفاء والمتروکین	دار قطنی
سیر اعلام النبلاء	حافظ ذہبی	الضعفاء الصغیر	بخاری

Marfat.com

الضعفاء الصغیر	نسائی۔	لباب النقول فی اسباب النزول	سیوطی
طبقات	ابن سعد		
العلل	محمد عیسیٰ ترمذی	لسان المیزان	ابن حجر
العواصم مع العواصم	ابوبکر بن العربی	اللآلی المصنوعۃ فی احادیث الموضوعۃ	سیوطی
عمدۃ القاری	بدرالدین عینی		
غریب الحدیث	خطابی	المعجم الصغیر	طبرانی
فتح الباری	ابن حجر	مجمع الزوائد	ہیثمی
فتح القدیر	کمال الدین بن الہمام	محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ	خضری بک
الفوائد المجموعۃ فی شان ما وقع فی مسلم من الاحادیث المقطوعۃ	حافظ رشیدالدین عطار	مروج الذہب	مسعودی
		موطا	امام مالک
قسطلانی شرح بخاری	؟	المستدرک	حاکم نیشاپوری
قواعد العلوم الحدیث	مولانا ظفر احمد عثمانی	مسک الختام	نواب صدیق حسن قنوجی
قرانی اہل بیت	مولینا سراج الحق مچھلی شہری	میزان الاعتدال	ذہبی
القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ	ابن تیمیہ	المواہب	ابن حجر
		المقاصد الحسنہ	حافظ سخاوی
قصص القرآن	مولینا حفظ الرحمٰن سیوہاروی	موضاعات کبیر	ملا علی قاری
الکامل	ابن الاثیر	الموضوعات	ابن الجوزی
کشف النعمہ		مسند احمد بن حنبل	امام احمد
الکتاب الجامع	ابوالوفاء قرشی	مسدس	حالی
الکفایہ فی علم الروایہ	خطیب بغدادی	معارف القرآن	پرویز

Marfat.com

مقتل حسین	ابو مخنف	تحفہ اثنا عشریہ	شاہ عبدالعزیز دہلوی
مواہب لدنیہ		تاریخ مسلمانان عالم	قاری احمد پیلی بھیتی
معالم التنزیل	بغوی	تفسیر ابن عباس	محمد بن السائب کلبی
مدارج النبوت	شیخ عبدالحق دہلوی	تاریخ اسلام	اکبر نجیب آبادی
المجر	ابو جعفر محمد بن حبیب	تاریخ الاسلام والمسلمین	ڈاکٹر مسعود
المعارف	ابن قتیبہ	تخریج مستدرک	ذہبی
معجم البلدان	یاقوت حموی	تاریخ بغداد	خطیب بغدادی
منہاج السنہ	ابن تیمیہ	حقیقت مذہب شیعہ	حکیم نیض عالم
منتہی المقال		سیرت فاروق اعظم	ابن جوزی
حملہ حیدری	آتش لکھنوی	حیات القلوب	ملا باقر مجلسی
الوشیعہ	موسیٰ جار اللہ ترکستانی	جامع ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی
تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی	جلالین	محلی سیوطی
تاریخ الخمیس	؟	جلاء العیون	ملا باقر مجلسی
تاریخ دمشق	ابن عساکر	الجرح والتعدیل	عبدالرحمان بن ابی حاتم
تاریخ الامت	اسلم جیراجپوری	الجامع الصحیح	محمد بن اسماعیل بخاری
تنقیح المقال	علامہ سنجاشی	الجامع لاحکام القرآن	قرطبی
		روضۃ الصفاء	

اطلاع: یہ کتاب "مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت حصہ دوم" مولفہ علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی اب "الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ رجسٹرڈ" کے ادارہ سے اشاعت پذیر ہو رہی ہے جس میں مولف کا ایماء شامل ہے۔ آئندہ مولف مذکور کی جملہ کتابیں اسی ادارہ "الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ" سے شائع ہوا کرینگی۔

"مٹوسپٹ"

Marfat.com

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (حدیث رسول صلعم)
جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات بیان کر دے۔

مذہبی داستانیں اور اُن کی حقیقت

(حصہ دوم)

قرآن وحدیث، تاریخ و فن (دوم) کی روشنی میں

تالیف

ماہر تاریخ محقق ونقاد، شیخ القرآن وامام الحدیث

جناب علامہ حافظ قاری حبیب الرحمان صدیقی کانپوری علوی

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ون۔اے۔۳/۷، ناظم آباد۔کراچی

Marfat.com